دار العلوم مجیبیہ کا ترجمان

سہ ماہی مجلہ

لوح و قلم

پھلواری شریف، پٹنہ

مدیر

محمد منہاج الدین مجیبی

دارالعلوم مجیبیہ پھلواری شریف، پٹنہ

پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات پونے تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ دارالعلوم مجیبیہ اپنے سن قیام سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے۔ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے۔ اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم میعاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کو اردو، ناظرہ قرآن پڑھانے کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبا کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم ہٰذا کی طرف سے مفت ہوتا ہے۔

اس لئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درسگاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

نوٹ : چیک یا ڈرافٹ پر صرف دارالعلوم مجیبیہ لکھیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہوالفرد　　　　المجیب　　　　ولی النعمۃ

''لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب''

دارالعلوم مجیبیہ کا ترجمان

سہ ماہی

لوح و قلم

پھلواری شریف، پٹنہ

دینی، علمی، ادبی واصلاحی مجلّہ

ماہ : جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۰۲ء

ماہ : جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب المرجب ۱۴۲۳ھ

مدیر محمد منہاج الدین مجیبی

ادارۂ تحریر

محمد آیت اللہ قادری

مولانا خواجہ عبدالباری

محمد مقصود عالم راہی

جلد نمبر ﴿۱﴾　　شمارہ نمبر ﴿۳﴾

زرتعاون.....

فی شمارہ	-/۸ روپے
سالانہ	-/۳۰ روپے
سالانہ بذریعہ ڈاک	-/۴۵ روپے

ترسیل زر کا پتہ

ایڈیٹر لوح و قلم، دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ، پھلواری شریف، پٹنہ-801505 (بہار)

فون نمبر 250305　　Email : al_mujeeb@yahoo.com

شعبۂ نشرواشاعت

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ

پھلواری شریف، پٹنہ، بہار (الہند)

فہرست مضامین

☆ لمعات	ادارہ	۳
آثار علمیہ		
☆ معراج	حضرت فیاض المسلمین قدسرہٗ	۱۲
☆ نسبت اویسی	جناب حضور صاحب سجادہ مدظلہ العالی	۲۵
گوشۂ اہل عرفاں		
☆ امام ملت و دین آفتاب شہر و دیار (۲)	حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری	۲۸
مقالات		
☆ ہندوستانی صوفیہ کے سلسلے اور ان کے امتیازات	جناب پروفیسر نثار احمد فاروقی	۳۸
☆ مصباح الطالبین اور ان کا دیوان معجز بیان	جناب ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید	۴۳
☆ قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں	جناب محمد بدیع الزماں	۵۴
ادبیات		
☆ نعت	جناب جمال احمد جمالؔ فاروقی	۵۹
☆ نعت	جناب نجم عثمانی	۵۹
☆ نعت	جناب شاہ اشتیاق عالم ضیاؔ شہبازی	۶۰
☆ قطعات	جناب محمد ناظم اجنبیؔ	۶۱
مکاتیب		
☆ تاثرات	ڈاکٹر احمد عبدالحی	۶۲
☆ تاثرات	پروفیسر نثار احمد فاروقی	۶۲
☆ کوائف و حالات	ادارہ	۶۳

لمعات

ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم اسلام اور مسلم معاشرہ میں آجکل جو اضطراب، ہیجان، بے چینی اور ہراس کا ماحول پیدا ہوگیا ہے۔ جس کے برے، خراب اور خطرناک اثرات سے مسلم طبقہ متاثر ہورہا ہے۔ اسلامی تنظیموں کا شیرازہ یکدم بکھرا ہوا ہے۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات کا حل اور تدارک اگر سنجیدگی سے سونچا نہیں گیا تو حالات اور بھی سنگین تر ہوسکتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں علماء، فضلاء، ارباب دانش، اور اصحاب الرائے حضرات پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوجائیں، اپنے اندر انقلاب پیدا کریں، ملت کے مفاد پر ذاتی مفادات اور نفسانی اغراض کو قربان کردیں۔ کیونکہ ہر تنظیم کی شناخت تو اسی مذہب اسلام سے ہے جس پر چاروں جانب سے حملے ہورہے ہیں، اسکے مٹادینے کی سازشیں ہورہی ہیں اور ہندوستان سے نکال باہر کرنیکی کوششیں بھی۔ اسے بچانا اور اسکی حفاظت وصیانت ہمارا اولین فریضہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لاَ يُغَيِّرُ مَابِقَوْ مٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَابِاَنفُسِهِمْ * بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت چھین نہیں لیتا جب تک لوگ خود اپنی بُری حالت کو نہ بدلیں۔

کتنے تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ باطل کی ساری طاقتیں اور بے شمار خداؤں کے سبھی پرستار متحد ہوکر اسلام کو مٹا دینا چاہتے ہوں۔ ایک خدا، ایک رسول، ایک قرآن کے ماننے والے مسلمان، تسبیح شکستہ کے دانوں کے مانند منتشر اور بکھرے ہوئے ہوں۔ نت نئی تنظیمیں اور قسم قسم کے ادارے نئے رنگ و آہنگ کیساتھ وجود میں آرہے ہیں لیکن ان میں سے بیشتر کا مطمح النظر ذاتی مفاد اور نفسانی اغراض پر مشتمل ہے۔ خلوص وللّٰہیت کا فقدان، بے لوث خدمت کا جذبہ ناپید معلوم ہوتا ہے۔ شہرت، ناموری اور ایک دوسرے پر تفوق و برتری کے جذبوں نے باہمی اتحاد و اتفاق کو پارہ پارہ کرکے،

آپس میں بیگانگت، دوری اور عداوت کو نمایاں کر دیا ہے۔ یہ تنظیمیں ایک دوسرے کیساتھ دست و گریباں، شہرت طلبی، خود ستائی میں منہمک، اپنے سر سہرا باندھنے اور بندھوانے کیلئے بے چین ہیں اسطرح کے خیالات نہایت تباہ کن اور بڑے نقصان دہ ہیں۔ دیکھئے جب کسی کا عزیز جاں بلب ہوتو اسکے سارے قرابتداروں میں سے ہر ایک کے دل میں صرف یہی خواہش ہوتی ہے کہ مریض صحتیاب ہو جائے، سہرا حکیم کے سر بندھے یا ڈاکٹر کے سر۔

مذہب اسلام اس وقت خطرہ میں ہے۔ سبھوں کی کوشش خطرہ سے نکالنے کی ہونی چاہئے۔ مدح وستائش کی طلب کا جذبہ اور شہرت و ناموری کا خیال نہ آنا چاہئے۔ سبھی اس کو بھول جائیں کہ خطرہ ٹالنے میں نام کس کا ہوگا، اسکا سہرا کس کے سر بندھے گا، تاریخ لکھنے والے کیا لکھیں گے، ان تمام جذبوں سے بالاتر ہوکر صرف ایک جذبہ اسلام کی سر بلندی کا دل میں رکھنا چاہیے۔ اسی کیلئے خالصاً لوجہ اللہ بھرپور کوشش ہونی چاہیے۔ تا تاریوں کے بارے میں آج تک یہ ثابت نہ ہوسکا کہ انکو مسلمان کرنے میں سب سے زیادہ ہاتھ کس کا تھا۔ اسلئے کہ ان مخلصین نے جنہوں نے یہ خدمت انجام دی تھی، اپنے کو اتنا چھپایا کہ تاریخ کی باریک بین نگاہ بھی نہیں دیکھ سکی۔ بعض دینی کتابوں کے مصنفین نے بھی اپنے کو ایسا مستور رکھا کہ انکے نام کی صحیح نشاندہی نہیں ہو پاتی ہے۔ بخاری شریف میں ایک روایت حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مجلس میں واقع کے طور پر بیان کی کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں گئے، وہاں پتھروں پر چلنے کی وجہ سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے جسکے سبب چلنا دشوار ہوگیا تو ہم لوگوں نے پیروں پر چیتھڑے لپیٹ لئے تھے، اسی وجہ سے وہ غزوہ ذات الرقاع کہلاتا ہے۔ اتنا کہنے کے بعد ایکدم احساس ہوا کہ میں نے یہ کیوں کہا کہیں میرا یہ عمل باطل نہ ہو جائے۔ کہیں اللہ تعالی کی طرف یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لوگوں نے سن لیا اور بڑا مجاہد سمجھ لیا۔ اب ہم سے کیا لینے آئے ہو۔ بخاری شریف میں خاص طور پر مذکور ہے انہوں نے کہا ''کاش میں یہ نہ کہتا، انکو اسکا افسوس تھا۔

ہوس پرستی اور خود غرضی کے اس مسموم ماحول میں اسلام پر ہونے والے یلغار کی مدافعت ناممکن، مذہب کی حفاظت وصیانت مشکل اور دین کی رفعت و بلندی دشوار۔ جب مذہب ہی نہیں رہے گا تو وہ تنظیمیں، جماعتیں، فرقے، گروہ اور ادارے جنہوں نے اپنی شناخت اسی مذہب اسلام سے کروائی ہیں یہ بھی باقی نہ رہ پائینگے پھر کوئی نہ پوچھے گا تمہارے منہ میں کتنے دانت ہیں۔ جاگنے کا یہی وقت ہے ہوشیار ہونیکی گھڑی یہی ہے سبھی علماء، فضلاء، دانشوران، ارباب حل وعقد اور اصحاب الرائے حضرات مل بیٹھیں اپنے باہمی اختلاف یکسر ختم کرتے ہوئے، اپنے اپنے مسلک پر قائم رہتے ہوئے ذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر ملی مفاد کی خاطر ایک متحدہ محاذ بنا کر باطل طاغوتی طاقتوں کے مقابل سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں، اسلاف کرام کی سیرت وصورت، کردار واعمال، اخلاق واخلاص اور ایثار و ہمدردی اپنے اندر پیدا کریں۔ اپنے اپنے پسندیدہ مسلک پر قائم رہیں اس سے ہٹنے کی ضرورت نہیں، سودا کرنے کی حاجت نہیں لیکن باطل پرستوں کے مقابل اسلامی استحکام اور مذہبی دعوت کے لئے ایسے اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں، کہ مسلمانوں میں مثالی زندگی پیدا ہو جائے جو لوگ دیکھیں ان کے لئے نمونہ بن جائے۔

کام وہی کریں جس سے اسلام کی رفعت و بلندی ہو، مذہب اسلام کا غلبہ ہو، اسکا وقار بڑھے اور اللہ تعالی کا کلمہ بلند ہو۔ اس کیلئے خالصاً لوجہ اللہ متحدہ کوشش کرنا چاہئے سہرا کسی کے سر بندھے سہرا ہونا چاہئے، اپنے لئے سہرا کی طلب نہ ہونی چاہئے اور نہ ہی اپنے کارناموں کا اظہار، کیونکہ یہی ریا وسمعہ ہے اور جب یہ قبیح صفت کسی کام میں پیدا ہو جائے تو اسکی برکت ختم، افادی پہلو غائب اور اللہ تعالی کی نصرت و حمایت سے محرومی ہو جاتی ہے جب کہ حدیث پاک میں ہے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن پہلا شخص جس کے خلاف فیصلہ کیا جائیگا وہ آدمی ہوگا جو کسی جہاد میں شہید کیا گیا ہوگا اللہ اُسے نعمتیں یاد دلائیگا وہ بندہ ان نعمتوں کا اقرار کریگا۔ اللہ تعالی اس سے دریافت فرمائیگا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا وہ عرض کریگا میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید کر دیا گیا اللہ تعالی فرمائیگا تو نے جھوٹ بولا۔ تو نے تو اس لئے قتال کیا

تھا کہ دنیا میں تجھکو جری اور بہادر کہا جائے چنانچہ تمہاری خواہش کے مطابق تمکو جری اور بہادر کہا گیا پھر حکم خدا سے منہ کے بل جہنم میں پھینکد یا جائیگا۔ دوسرا شخص پیش کیا جائے گا جس نے مذہبی علیم حاصل کی تھی اور دوسروں کو تعلیم بھی دی تھی اللہ تعالی اسے اپنی نعمتیں یاددلائیگا تو وہ ان نعمتوں کا اقرار کریگا پھر دریافت کریگا تو نے ان نعمتوں سے کیا کام لیا وہ عرض کریگا میں نے دینی علم حاصل کیا دوسروں کو بھی تعلیم دی قرآن پڑھا اور پڑھایا تیری خوشنودی کے لئے اللہ تعالی فرمائیگا تو نے جھوٹ کہا۔ تو نے علم اس لئے حاصل کیا اور قرآن اسلئے پڑھا تھا کہ دنیا میں عالم اور قاری کہلائے چنانچہ دنیا میں تمکو عالم اور قاری کہا گیا پھر بحکم الٰہی وہ منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائیگا۔ ایک اور آدمی لایا جائیگا جسکو اللہ تعالی نے دنیا میں ہر قسم کی دولت سے نوازا تھا اللہ تعالی اپنی نعمتیں یاددلائیگا وہ اقرار کریگا پھر اللہ تعالی فرمائیگا ان نعمتوں کا تو نے کیا مصرف لیا وہ عرض کریگا میں نے تیری رضامندی کے راستوں میں اپنا مال صرف کیا اللہ تعالیٰ فرمائیگا تو نے جھوٹ بولا تو نے یہ کام اس لئے کیا تھا کہ دنیا میں سخی مشہور ہو جائے چنانچہ تم سخی مشہور ہو گئے پھر وہ اللہ تعالی کے حکم سے منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائیگا۔

بخاری شریف اور مسلم شریف میں ایک حدیث حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

سئل رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الرجل يقا تل شجاعة ويقا تل حميّة و يقا تل رياء اى ذلک فی سبيل الله؟فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قاتل لتكون كلمة الله هى العليا فهوفى سبيل الله (متفق علیہ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص بہادری کے لئے لڑتا ہے اور ایک آدمی شہرت کے لئے لڑتا ہے ان میں سے کون اللہ تعالی کی راہ میں لڑنے والا ہوگا۔ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالی کا کلمہ بلند کرنے کیلئے جو شخص لڑیگا وہی اللہ تعالی کی راہ میں لڑنے والا سمجھا جائیگا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اس وقت لڑائی کسی خاص مکتبہ فکر سے نہیں، کسی مخصوص جماعت سے نہیں بلکہ لڑائی اسوقت

اسلام اور غیر اسلام کے درمیان ہے۔جس طرح غیر اسلامی جماعتیں اپنے مختلف نظریات اور متعدد معتقدات کے باوجود کلھم ملۃً واحدہ کا مظاہرہ کررہی ہیں اسکے مقابلہ میں اسلام کے ماننے والے تمام فرقوں کو اپنے جزوی اور فروعی اختلافات کے باوجود شہرت، ناموری، تفوق و برتری اور مدح وستائش کے جذبات سے الگ ہوکر محض رضائے مولی کی نیت سے اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے متحد ہوکر اقوام عالم کے دلوں میں اپنی طاقت وقوت کا احساس دلانا چاہئے۔ رسّی کے تار الگ الگ ہوں تو وہ کمزور ہوتے ہیں اُسے معمولی طاقت والا بھی توڑ سکتا ہے۔لیکن سارے تار جب ملکر یکجا ہوتے ہیں تو اسے بڑی طاقت والا بھی توڑ نہیں سکتا۔

جتنا بھی ہوسکے ایثار وقربانی کی صفت اپنے اندر پیدا کریں۔ باہمی نزاع ومخالفت سے گریز کریں اپنی زندگی میں اسلاف کرام کی خوبیاں بھرنے کی کوشش کریں۔ایک جنگ کے موقع پر کچھ صحابہ مجاہدین شدید زخمی ہوکر میدان میں پڑے تھے اور سسکیاں لے رہے تھے ایک صحابی جو زخمیوں کی دیکھ بھال پر مامور تھے پانی لیکر قریب زخمی کے پاس پہنچے وہ پانی پینے کیلئے آمادہ ہوئے تھے کہ دوسرے زخمی سے پانی پانی کی آواز کان میں پہونچی پہلے نے کہا میں بعد میں پی لونگا پہلے میرے بھائی کو دو۔ وہ پانی لیکر دوسرے کے پاس پہونچا وہ پانی پینے کا ارادہ کررہے تھے کہ تیسرے زخمی سے پانی پانی کی صدا بلند ہوئی اس دوسرے نے کہا پہلے میرے بھائی کو پلاؤ میں بعد میں پی لونگا۔ پانی پلانے والا تیسرے کے پاس پہونچا پانی پیالہ میں انڈیل رہا تھا کہ اچانک ایک ہچکی آئی اور روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی پانی والا دوڑتا ہوا دوسرے کے پاس پہونچا تو دیکھا یہ بھی خدا کے پیارے ہوگئے وہاں سے تیزی کے ساتھ پہلے زخمی کے نزدیک آیا تو دیکھا یہ بھی ابدی نیند سوچکے ہیں۔ دیکھا آپنے اپنی خواہش وتکلیف پر دوسرے کی خواہش وتکلیف کو ترجیح دی۔اس وقت اسی طرح کے ایثار کی ضرورت ہے۔ یہ صفت جتنی زیادہ ہوگی اتنا ہی اسکا بہتر نتیجہ نکلے گا۔ کردار اچھے، اخلاق عمدہ اور ہمدردی پیدا ہوگی آپسی نزاع ختم ہوگا، اتحاد واتفاق میں پائیداری آئیگی۔ علمی ومذہبی اختلاف ومباحث کا میدان اور ہے۔اسکے بیان کے مواقع اور۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ اکبر بادشاہ دین سے متنفر

اسلئے ہوا کہ اسنے علماء کو مرغوں کی طرح لڑتے دیکھا اگر کوئی مسئلہ چھڑتا تو ان میں تیز بحث شروع ہو جاتی اور ہر ایک دوسرے پر اپنا تفوق و برتری ثابت کرنیکی ایسی کوششیں کرتا جیسے دنیا دار طبقے مال وجاہ کی طلب میں کرتے ہیں، اکبر نے سوچا یہ کیسے لوگ ہیں۔ وزراء، ارکان سلطنت اور خاص دنیا دار لوگ بھی ایسا نہیں کرتے اور اس سطح پر نہیں اترتے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا کہ جہانگیر اپنے دربار میں چند علماء کو مشورہ کیلئے رکھنا چاہتا ہے تو انہوں نے نواب سید فرید کو خط لکھا خبردار! بادشاہ کو رائے دو کہ مخلص اور حقانی صرف ایک عالم کو رکھے۔ یہ مجدد صاحب کی فراست ایمانی تھی جو انہوں نے اس بات کو سمجھا۔ میں نہیں کہتا ہوں کہ ہر موقع و مجلس میں صرف ایک ہی عالم رہے لیکن میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ علماء آپسی اختلافات ونزاعات میں ایسی بحث وتمحیص نہ کریں جو ایک دوسرے کی تذلیل وتوہین کا باعث ہو اور بات نظریاتی اختلافات سے ذاتی اختلافات کی سطح پر آ جائے۔

علماء کو چاہئے کہ زندگی ایسی سادہ گذاریں کہ عوام اس سے متاثر ہوں۔ تھوڑی چیز پر صبر کرنیکا جذبہ اُبھرے بڑی تنخواہوں، اونچے عہدوں، شاندار محلوں اور خوبصورت کاروں کے حصول کی تمنا نہ ہو۔ دنیا کے جاہ وحشمت سے بے نیاز ہو کر جو شخص سادہ زندگی گذارتا ہے اور بوریہ نشیں ہوتا ہے وہی تبلیغ و اشاعت دین کا کام زیادہ کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ دنیا دار طبقہ زیادہ تر اسی کے سامنے جھکتا ہے جو دنیا سے بیزار رہتا ہے۔ ہمارے پیش رو مشائخ کرام نے یہی کیا ہے، کبھی بادشاہوں کے قریب نہیں گئے مگر دور سے نگرانی کرتے رہے۔ یہ وقت امتحان ہے اس میں ہمارا اور عالم اسلام کا امتحان ہے۔ ہر شخص کو اپنی اپنی صلاحیت کام میں لانا چاہئے۔ کہیں ہماری خود غرضی، عدم توجہی سے اسلام کو نقصان نہ پہونچ جائے کوئی یہ نہ کہے علماء کی غفلت اور غیر دانشمندی کے سبب ایسا ہوا اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اسکی توفیق عطا فرمائے آمین۔

گذشتہ چار مہینوں سے گجرات کے مسلمانوں پر مختلف عنوانوں سے جو نت نئے مظالم ڈھائے جا رہے ہیں، حفاظت کرنے والے قاتل بن گئے ہیں، انصاف دینے والے ناانصافیوں کے راستے تلاش کر رہے ہیں اور دکھ درد میں شریک ہونیوالے پڑوسی لٹیرے اور قاتلوں کے مددگار بن گئے

ہیں۔ انسانی المیوں کی روداد یں پڑھکر اور انسانوں کی شقاوت کی تصویریں دیکھ دیکھ کر ہر طرف مایوسی کا اندھیرا چھانے لگا ہے۔ لیکن اسی درمیان انسانیت کی ایسی کرنیں لپک اٹھتی ہیں کہ مایوسی کی جگہ امید کی جوت جاگ جاتی ہے۔

انسانیت کی پہلی کرن تو اسی جگہ سے پھوٹی تھی جہاں سے حالیہ نفرت کے شعلے بلند ہوئے۔ گودھرا سانحہ کے تیسرے چوتھے دن ہی، جب پورا گجرات، بقول نریندر مودی، عمل کے ردعمل کے طور پر مسلم کش فسادات کے شعلوں میں جھلس رہا تھا، تو گودھرا کے قریب ایک گاؤں کی مسلم آبادی پر باہر کے لوگوں نے ہلہ بولنا چاہا، یہ دیکھ کر اس گاؤں کے تمام ہندو، مسلمانوں کے دفاع میں گاؤں سے باہر آ گئے اور انتہائی سخت کلامی کرتے ہوئے حملہ آوروں کو واپس لوٹنے پر مجبور کیا۔ اسی سے ملتا جلتا تازہ ترین واقعہ ۱۲ مئی اتوار کو خود احمد آباد کے موچی پول علاقے میں ہوا۔ دہلی دروازہ مسلم اکثریتی علاقہ ہے وہاں صرف سات ہندو کنبے ہیں۔ وہاں ایک مسجد اور مندر قریب میں واقع ہے۔ لیکن گذشتہ دنوں میں پہلی بار وہاں کے دو مسلمان نوجوان زخمی ہوئے، وہ بھی مبینہ طور پر پولس فائرنگ میں، یہ دیکھ کر اس علاقے کی ہندو خواتین پولیس جوانوں کے سامنے آ گئیں اور پوری جرأت کے ساتھ کہا کہ وہ بے قصور گروپ کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ان خواتین نے اعلان کیا کہ وہ کئی دہائیوں سے مل جل کر رہتے چلے آ رہے ہیں اور اب پولیس کو اس ہم آہنگی اور بھائی چارگی کو برباد کرنے کی اجازت نہیں دیں گی۔ ہم متحد ہو کر رہنا چاہتی ہیں کیا یہی ہمارا جرم ہے؟

دہلی دروازہ کے موچی پول علاقہ کے اس واقعہ کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب پورا گجرات مسلمانوں کیلئے جہنم زار بنا ہوا تھا تب بھی دہلی دروازہ کے مسلمانوں نے اپنے فہم و شعور اور ذہنی توازن کو قابو میں رکھا اور اپنے علاقہ میں رہنے والے سات ہندو خاندانوں کو آنچ نہیں آنے دی۔ یہی مومنانہ شان ہے! مسلمان ظالموں کے سامنے تو ڈٹ جاتا ہے لیکن معصوموں کو گزند نہیں پہونچاتا اور جو انکی امان میں آ جائے تو انکی ہر طرح سے حفاظت کرتا ہے۔ دوسرا پہلو یہ کہ اللہ تعالی نے اپنی آخری کتاب میں فرمادیا ہے کہ اس نے انسان کو احسن تقویم (بہترین صورت و ہیئت) پر پیدا کیا ہے۔ ممکن

ہے وہ وقتی طور پر بھٹک جائے، بگڑ جائے، بالآخر وہ اپنی احسن صورت کی طرف پلٹے گا۔ بشرطیکہ خالق حقیقی نے اس کے دل ودماغ پر فرعون، نمرود اور ابوجہل وابولہب کی طرح، مہر نہ لگادی ہو۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ کی تعذیب وتذلیل پر یہی فرماتے، ''یا اللہ یہ مجھے نہیں جانتے، انہیں ہدایت دے!'' آیئے ہم بھی اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل کرتے ہوئے عفوودرگذر سے کام لیں، مایوسی کے اندھیرے سے نکلیں اور ظالموں کو ظلم کی تاریکوں سے نکال کر انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کریں!

فسادات کا ذمہ دار سرکار کو کیوں نہ بنایا جائے

ظاہر ہے یہ سوال ہی اٹ پٹا سا ہے؟ انسانی جان کی اصل قدر و قیمت تو لگائی ہی نہیں جاسکتی۔ لیکن جب کبھی کوئی طیارہ حادثہ، ریل حادثہ، بس حادثہ یا دنگا فساد ہوتا ہے اور متعلقہ انتظامیہ مہلوکین کے ورثاء کو اور مجروحین کو معاوضہ کی رقم دینے کا اعلان کرتی ہے تو یہ سوال فطری طور پر اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ایک انسان کی جان کی قیمت کیا ہے؟ اور اسکا تعین کس بنیاد پر کیا جانا چاہئے! طیارہ حادثے میں تو ایئر لائنز والے اپنے مہلوک مسافروں کے ورثاء کو دس لاکھ سے بھی زیادہ ادا کرتے ہیں۔ لیکن اب تک ٹرین اور بس حادثوں میں جاں بحق ہونے والوں کے لئے معاوضہ کی رقم کا تعین نہیں ہوسکا ہے۔ شرم جیوی ایکسپریس کے مہلوکین کے ورثاء کو دس لاکھ روپے دینے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اس پر ہمیں گجرات میں جاری قتل عام کے مہلوکین کے معاوضہ کی بات یاد آ گئی۔ وزیر اعلیٰ نریندر مودی نے سابرمتی ایکسپریس آتشزنی میں مرنے والوں کے ورثاء کے لئے دو لاکھ روپیہ معاوضہ اور بقیہ گجرات میں ''ردعمل کے طور پر'' مرنے والوں کیلئے ایک ایک لاکھ روپئے کا اعلان کیا تھا۔ ان معاوضوں کے پانے کے لئے بھی ایسی شرطیں رکھی گئی ہیں کہ بیشتر مہلوکین کے ورثاء کسی بھی قسم کے معاوضے سے محروم ہی رہ جائیں گے۔ ایسا ممبئی ۹۳-۱۹۹۲ء فسادات کے مہلوکین کے ورثاء کے ساتھ ہو چکا ہے۔ بہر کیف ہمارا اصل سوال یہ تھا کہ انسان کی جان کی قیمت کتنی ہونی چاہئے اور اسکی ادائیگی کیوں ہونی چاہئے؟

ایرلائنز والے تو اس لئے ادا کرتے ہیں کیونکہ وہ ہر مسافر سے انسورنش کی رقم وصول کرتے ہیں۔اسی طرح ٹرینوں کے مسافر بھی سفر کرنے کے لئے بلکہ بحفاظت سفر کیلئے قیمت ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح حکومت نہ صرف یہ کہ عوام سے ٹیکس وصول اسلئے کرتی ہے کہ وہ عوام کو شہری سہولیات فراہم کرے بلکہ ان کی جان و مال کی حفاظت بھی اسکی آئینی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔لہٰذا اگر کسی شہر میں یا آج گجرات کی طرح، کسی ریاست میں فساد پھوٹ پڑتا ہے اور حکومت وقت اس پر قابو نہیں پاتی تو یہ اس متعلقہ حکومت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے شہریوں کے جانی و مالی نقصانات کی مکمل بھرپائی کرے۔

اگر چہ آزاد ہندوستان میں چالیس ہزار سے زیادہ ''فرقہ وارانہ'' فسادات میں لاکھوں انسان جاں بحق اور انکی ہزاروں کروڑ کی جائدادیں تباہ ہو چکی ہیں، لیکن اب تک اس سلسلے میں آئین ہند کی رو سے حکومت کو ذمہ دار بنانے کے سوال پر غور ہی نہیں کیا گیا! ضرورت اس بات کی ہے کہ اہم موضوع کے مختلف گوشوں پر بحث کی جائے اور طئے کیا جائے کہ کس حادثہ کو ''اتفاق فساد'' قرار دیا جائے اور کتنے طویل فساد کو حکومت کی ''لاپرواہی یا سرپرستی کا نتیجہ'' قرار دیا جائے؟ اور ایسی لاپرواہ اور متعصب حکومت کی جانب سے مہلوکین، مجروحین اور تباہ شدگان کی ادائیگی کی رقم بھی طے کی جائے۔ظاہر ہے یہ کام سپریم کورٹ کی دستوری بنچ ہی کر سکتی ہے۔کیا ان باتوں پر غور کرنے کی زحمت کی جائے گی؟

☆☆☆

معراج

از افادات حضرت اقدس سیدنا الامام فیاض المسلمین بدر الکاملین
امیر الشریعۃ شیخ الطریقۃ مولانا سید شاہ محمد بدر الدین قادری قدس سرہ

لغت میں معراج کے معنی نردبان (سیڑھی) لکھا ہے یعنی بلندی پر چڑھنے کی چیز۔ یہ عروج سے مشتق ہے جسکے معنی ہے اوپر چڑھنا۔ اسلامی اصطلاح میں اس انتہائی قرب کو کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر سیدنا و مولانا محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی کی بارگاہ میں اس شب کو ہوا جس شب کو شب معراج کہتے ہیں یعنی اس شب میں جیسا کہ احادیث میں ہے زمین سے آسمانوں اور عرش تک آپ نے عروج فرمایا یعنی تشریف لے گئے تھے۔

یہ واقعہ چونکہ شب کا تھا فارسی میں شب معراج اور عربی میں لیلۃ الاسریٰ کہتے ہیں یعنی رات میں سیر و سفر۔

واقعہ معراج پر تو تمامی اہل اسلام کو اتفاق ہے۔ اختلاف اس معراج کی کیفیت کی نسبت ہے علماء اسلام میں سے بعض نے اسکو خواب میں ہونے کا اقرار کیا ہے بعض نے بیداری میں بعض نے جسمانی، بعض نے روحانی، بعض مکہ معظّمہ سے بیت المقدس مسجد اقصے تک جسمانی کے قائل ہیں کیونکہ کلام اللہ میں اسکا ذکر صریح ہے۔ پھر وہاں سے آسمانوں اور عرش تک روحانی بتاتے ہیں۔ بعض ایک ہی بار ہونیکے قائل ہیں بعض متعدد بار۔ اکثر کا قول ہے کہ جسمانی معراج بیداری میں ایک بار اور روحانی خواب میں بہت دفعہ ہوئی لیکن جمہور اہل اسلام بیداری میں۔ اور جسمانی ایک بار ہونے پر متفق ہیں۔ کیا مسجد اقصےٰ کیا اس سے اوپر آسمان وغیرہ پر تمام، باقی روحانی خواب میں بہت بار جسکی تعداد معین نہیں کہی جاسکتی۔ جسمانی کے قائلین کے پاس بڑی دلیل قرآن شریف میں **عبد** کا لفظ ہے جسکا اطلاق شخص پر ہے جو کہ جسم و روح دونوں رکھتا ہے نہ مجرد روح پر نہ فقط جسم پر۔ **عبدہ** سورہ بنی اسرائیل میں بھی ہے اور سورہ نجم میں بھی پھر صاحبکم کا لفظ سورہ نجم میں بھی شخصیت ہی پر دلالت کرتا ہے۔ حدیث کا لفظ

اسریٰ ہی سے بھی جسمانی ہونا ثابت ہوتا ہے[1] اور سیر وسفر آن کے آن کی بات تھی یہاں تک کہ معاودت پر بستر خواب میں سونے کے وقت کی گرمی موجود تھی۔

اسریٰ اور معراج میں بھی فرق بتاتے ہیں۔ اسریٰ کے ایک بار اور معراج کے کئی بار ہونیکی قائل ہیں اور اسریٰ بیداری میں اور معراج خواب میں۔[2] پھر اس شب میں رویت باری ہونے میں بھی بعض نے نفی کی اور زیادہ اسکے ثابت کرنے میں ہیں ہر ایک کے دلیل لکھنے کی اس تحریر میں گنجائش نہیں۔ کلام اللہ میں اس معراج کا ذکر دو مقام میں ہے۔ اول سورہ بنی اسرائیل میں پھر سورۂ نجم میں۔ سورہ بنی اسرائیل کی آیۃ کریمہ یہ ہے۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلامن المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہٗ لنریہٗ من ایٰتنا۔

وہ پاک ذات ہے جو راتے رات لے گیا اپنے بندہ (محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصےٰ (بیت المقدس) تک جسکے گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم اسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں

سورۂ نجم کی آیات شریفہ یہ ہیں۔

والنجم اذا ھویٰ ماضلّ صاحبکم و مَا غویٰ ☆ .وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالاّ وحی یّوحیٰ ☆ علمه شدید القویٰ ذومرۃ ط فاستویٰ وھو بالا فق الاعلیٰ ثم دنیٰ فتد لیّٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ ☆ فاوحیٰ الی عبدہ مااوحیٰ ☆ ماکذب الفؤاد مارایٰ ☆ افتمٰرونه علیٰ مایرٰی☆ ولقد راٰہ نزلة اخری عند سد رۃ المنتھٰی عندھا جنة الما وایٰ☆ اذ یغشی السدرۃ مایغشیٰ مازاغ البصر وما طغیٰ لقد رایٰ من ایات ربه الکبریٰ☆

قسم ہے تارے کی جب ڈوب جائے۔ تمہارے ساتھی نہ بھولے ہیں نہ بھٹکے۔ اور نہیں بولتے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے جو (انکے پاس) بھیجا جاتا ہے۔ ان کو بڑی قوت والے نے (جبرئیل) سکھایا ہے۔ زور آور نے پھر سیدھے بیٹھے اور وہ (آسمان کے) بلند تر کنارے میں تھے پھر قریب ہوئے اور قرب میں بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر۔ یا اس سے بھی قریب تر پہنچ گئے پھر حکم بھیجا خدا نے اپنے بندے پر جو بھیجا ان کے دل نے جھوٹ نہ دیکھا جو کچھ دیکھا۔ کیا تم ان سے جھگڑتے ہو جو کچھ انہوں نے دیکھا ہے۔ انہوں نے اسکو دوسری بار دیکھا ہے۔ سدرۃ المنتہٰی کے پاس۔ اسی کے پاس رہنے کی بہشت ہے جبکہ چھا رہا تھا اس بیری کو جو چھا رہا تھا نہ انکی آنکھ خیرہ ہوئی نہ حد سے آگے بڑھی تحقیق انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

(۱) زرقانی شرح مواہب لدنیہ طبع دوم جلد ۶ صفحہ ۷

(۲) زرقانی جلد اول صفحہ ۳۰۶ و جلد ۲ صفحہ ۳

سورہ بنی اسرائیل کی آیت میں ایک معظم و محترم مسجد کعبہ معظّمہ سے دوسری متبرک و مقدس مسجد بیت المقدس تک شب کی خصوصیت کے ساتھ سیر کرانیکا ذکر ہے اپنی قدرت کے نمونہ دکھانیکے لئے۔ شیوہ محبت کا اقتضا ہے کہ محب و محبوب کے درمیان جو اسرار ہوتے ہیں اسکو دوسروں پر ظاہر کرنا نہیں چاہتے۔ محبین محبت کی داستانیں راتوں میں سنانا پسند کرتے اور محبوبین بھی اپنی طرف سے لطف و کرم اور نوازش محبین کے حق میں اکثر شب ہی میں مبذول کیا کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو اپنی معرفت کی راہ شب کو دکھائی گئی۔ **فلمّا جنّ علیه اللیل رای کو کباً (الی) انی وجهت وجهی للذی فطرالسمٰوات والارض حنیفاًوّ ما انا من المشرکین** ☆ کے مضمون سے ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رتبہ پیغمبری وہمکلامی شب کو عنایت ہوئی۔ **اٰنس من جانب الطور (الیٰ) ان یموسیٰ انی انا الله ربّ العالمین**۔ رات ہی کا واقعہ ہے کیونکہ دور سے آگ رات ہی میں دکھائی دیتی ہے ؎

درشب کشادہ نکتۂ توحید بر خلیل　　انوار نجم حیلۂ دیدار عاشقانست

موسیٰ بیافت لذت دیدار حق بشب　　شبہائے تار مطلع انوار عاشقانست

اس لئے خداوند تعالےٰ نے اپنے حبیب کو رات ہی میں طلب کیا نہ دن میں دنیا میں بھی اپنے ایک گھر سے دوسرے گھر تک پھر عالم بالا میں اجراء احکام و سلطنت کے مقام عرش عظیم تک ؎

درلامکان بشب شدہ معراج مصطفےٰ　　شب رازدار وصلت ودرکار عاشقانست

سورہ نجم کی آیتوں میں روئے زمین کے کسی ایک شہر سے دوسرے شہر تک سفر کی تصریح نہیں جیسا بنی اسرائیل کی آیت میں ہے اور نہ رات ہی کا ذکر ہے نہ دن کا **مَاضلّ صاحبکم** سے **علمه شدید القوی** تک اپنے حبیب کے صفات حسنہ کو بیان فرمایا ہے اور **وهو بالافق الاعلی ثم دنٰی فتدلّٰی** سے **او ادنیٰ** تک اسکا بیان ہے جو بروایت امام بخاری حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کو دوسری مرتبہ اُنکی اصلی صورت پر بمقام سدرۃ المنتہیٰ دیکھا۔

فاوحی الیٰ عبدہٖ مااوحیٰ میں راز داری کے ساتھ انعام واکرام کی طرف اشارہ فرمایا پھرآپ کی استعداد عالی کی توصیف ''مَاکذب الفؤاد'' سے ماطغیٰ تک بیان فرمایا۔

واقعہ اسریٰ اہل علم کے نزدیک بدلالت آیات مرقومہ بالامومنین پرآنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت شان ظاہر کرنیکے لئے اور منکرین کے حق میں امتحان کیواسطے تھا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم علوی کی سیر کرایا اوراپنے قرب کے انتہائی مرتبہ تک پہنچایا تاکہ مدعیان تسبیح وتقدیس اپنے اس اعتراض کی رکاکت کو جوحضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ بنانے پرانہوں نے پیش کیا تھا۔ اوراپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان جلالت ومحبوبیت انہیں دکھایا تاکہ سرِّ ''انی اعلم مالاتعلمون'' کوسمجھیں۔

اہل عشق ومحبت اس طلب ودعوت ومہمانی کے اسرار اپنے اپنے حوصلہ اورفہم کے موافق کچھ اورہی بتاتے ہیں۔ان کے نزدیک بمفاد ''الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا'' عشق خدااورغلبہ شوق لقائے باری ہی ایسے جذبۂ الٰہی ودعوت ومہمانی کا باعث ہے۔ جونہایت خموشی وکمال تحمل کے ساتھ روزافزون ترقی پذیرہو۔اوراگرسوال رویت سے عقل یہ فتوی دیکھا کرروکدے کہ لاتدرکه الا بصار وھوید رک الا بصارَ۔یاحضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے سوال رَبّ ارنی انظر الیک کا دوٹک انکاری جواب لنْ ترانی ملناپیش کرے۔تو دوسری طرف عشق جسکا جنون الٰہی نام ہے عقل کے خلاف حکم دے ؂

بکش جامی دوسہ ازبادۂ عشق بزن دستے بگو معشوق با مااست

اورغلبہ شوق دیدارمیں کہے ؂

یامرادمن بدہ یا فارغم کن از مراد وعدۂ فرداندانم یا چناں کن یا چنیں

پھرجب اُس سے آگے بڑھکر معشوق کی ہستی کے سامنے اپنی ہستی اور معشوق کی مراد کے مقابلہ میں اپنی مرادفنا ہوجائے۔ نہ اپنے عاشق ہونے کا حس رہے نہ حصول مراد کی ہوس رہے نہ نامرادی کی حسرت۔تو اُس وقت اکرم الاکرمین کا جودوکرم استقبال کے لئے آگے بڑھے جس نے فرمایا ہے۔ جس بندہ کومیری یاد مجھ سے کچھ مانگنے سے روکے تومیں اسے مانگنے والوں سے بہتر دیتا ہوں۔

اور فرشتگان مقرب کو حکم ہوتا ہے۔ میرے بندے کو لے آ ؤ۔ جبرئیلؑ ومیکائیل علیہما السّلام جیسے جلیل القدر فرشتے جلدی کر کے مکان کی چھت میں شگاف دیکر پہنچتے۔ حمزہؓ اور جعفر رضی اللہ عنہما کو تو سوتا چھوڑ دیتے ہیں اور جنکی آنکھوں میں نینداور دل بیدار پاتے ہیں تنام عینائی ولاینام قلبی. اسے مژدہ طلب سناتے اور سینہ مبارک کو چاک کر کے آب زمزم سے دھوکر علم وایمان سینہ میں بھر کر برابر کر دیتے، پھر سواری کے لئے براق لاتے اور طرفۃ العین میں لیجاتے ہیں۔ سبحان الله وبحمدہٖ سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ. صلی الله علیه وسلم وعلیٰ اٰلهٖ قدر حسنهٖ وجمالهٖ

معراج محمدی چو خوانی — سرِ طلب رسول دانی
رمز اسریٰ بعبدہٖ را — جوئی بکتاب آسمانی
مدعو ست حبیب خاص امشب — بر خوان خلیل میہمانی
زان سو طلب و پیام اشواق — دین خفتہ بدارامہمانی
زان سو طلب وازیں طرف ناز — در ناز نیاز ہا نہانی
معشوق برنگ عاشق آمد — بین جذبۂ شورش نہانی
بے خواست نمود خویشتن را — می گفت ہرآنکہ لن ترانی
مطوب چو طالب ست امشب — طالب بسرور و شادمانی
بے حرف و صدا کلام باہم — در رمز وکنایہ و معانی
ادنیٰ زمقام قاب قوسین — بے ہیچ حجاب درمیانی
جائیکہ نہ عقل و فہم گنجد — شرحش چہ تواں زلا مکانی
احمد باحد رسید وگم یافت — آن حرف حجاب درمیانی
مرکب کہ نہ بار یافت آنجا — خوش گفت کسے زنکتہ دانی
باسایہ ترانمی پسندم — عشق ست و ہزار بدگمانی [1]

حق سبحانہ وتعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں اس راتے رات سیر کرانیکا سبب بتایا ہے لنریه من اٰیٰتنا. تاکہ وہ ہماری جس بیش از عظمت وجلالت پر ایمان رکھتے ہیں اور ہمارے قدرت کے

[1] یہ غزل خود حضرت کی ہے اس کا مقطع ہے۔ مولائے جہانیاں شود بدر — او را چو غلام خویش خوانی

بڑے بڑے کرشمے کے بے دیکھے ہوئے دل سے معتقد ہیں تو ہم ان کی آنکھوں سے اسے دکھا بھی دیں۔ پھر سورۂ نجم میں خبر دی کہ انہوں نے وہ بڑی بڑی نشانیاں اپنے رب کی قدرت کی دیکھ لیں۔ لقد رای من ایات ربه الکبریٰ ان بڑی بڑی نشانیوں کی تفصیل احادیث بخاری اور دوسری صحاح میں مذکور ہیں۔

آپ مکہ معظمہ سے بیت المقدس بسواری براق بہمراہی جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیل علیہم السلام تشریف لے گئے اثناء راہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا۔ ایک مقام میں راہ سے ہٹے ہوئے ایک بوڑھی عورت نظر آئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا آگے بڑھے چلئے۔ پھر ایک بوڑھا کوزہ پشت دیکھائی دیا یہاں بھی حضرت جبرئیل نے کہا آگے چلے چلئے۔ پھر کچھ لوگ نظر آئے جنہوں نے کہا السّلام علیک یا اول السّلام علیک یا آخر السّلام علیک یا حاشر حضرت جبرئیل نے کہا انکے سلام کا جواب دیجئے۔ آپ نے جوابِ سلام فرمایا۔ جبرئیل نے بتایا کہ وہ بڑھیا کی صورت راہ کے کنارے دنیا تھی اور وہ بوڑھا شیطان تھا۔ آپکو اپنی طرف مائل کرنیکی غرض سے کھڑا تھا۔ اور جن بزرگوں نے سلام کیا وہ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰ علیہم السّلام تھے۔

بیت المقدس میں پہنچے تو وہاں ارواح طیبہ انبیاء علیہم السلام کا اجتماع تھا جن میں حضرت آدمؑ و حضرت ابراہیمؑ و حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰ علیہم السّلام کا نام خصوصیت کے ساتھ مذکور ہے۔ وہاں اس شب کو اس وقت نماز میں آپ کو کل انبیاء نے امامت کیلئے آگے بڑھایا دوسری روایت میں ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے امامت کے لئے کہا بہرصورت آپ نے امامت فرمائی اور دو رکعت نفل پڑھی۔ اسکے بعد حضرت جبرئیلؑ نے ایک ظرف میں خمر دوسرے میں دودھ حاضر کیا۔ آپ نے دودھ کو اختیار فرمایا تو انہوں نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا۔ اسکے بعد آسمان کے طرف صعود فرمایا۔ اور حضرات انبیاء میں سے حضرت آدمؑ پھر حضرت یحیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پھر حضرت یوسفؑ پھر حضرت ادریسؑ پھر حضرت ہارونؑ پھر حضرت موسیٰؑ پھر حضرت ابراہیم علیہم السّلام سے ایک ایک آسمان پر ملاقات ہوئی اور سلام و کلام ہوا۔ ان میں سے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو بہت اچھی شکل میں ساتویں آسمان پر دیکھا کہ بیت معمور سے پیٹھ

لگائے بیٹھے ہیں۔

وہاں اس وقت آپ کو کچھ آپ کی امت دکھائی گئی جسمیں سے تھوڑے کا لباس نہایت سفید تھا۔ اور تھوڑے کا لباس خاکی یعنی میلا تھا۔

آپ کے ساتھ بیت معمور میں سفید لباس والے داخل ہوئے۔ اور میلے لباس والے نہ جاسکے۔ آپ نے وہاں کے حاضرین کے ساتھ نماز پڑھی۔ وہاں جنت کے دروازہ پر ایک معمر شخص کی صورت کرسی پر بیٹھے ہوئے دکھائی دیئے۔ اسکے پاس بیٹھی ہوئی ایک قوم سفید درخشندہ چہرہ والی تھی اور دوسری مغبر چہرہ والی۔ یہ دوسری قوم نے ایک نہر میں غسل کیا جس سے ان کے چہرے کچھ صاف ہوگئے۔ پھر دوسری نہر میں غسل کیا تو رنگ کچھ اور بھی صاف ہوگیا۔ پھر تیسری نہر میں غسل کیا تو رنگ اور صاف ہوگیا جیسا کہ اس پہلی قوم کا تھا۔ آپ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا یہ صاف رنگ والے کون ہیں اور ڈھکے رنگ والے کون لوگ ہیں کہ جن کا رنگ بھی نہروں میں غسل کرنے سے صاف ہوگیا۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ یہ معمر بزرگ آپ کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اور سفید درخشان چہرہ والے وہ لوگ ہیں جنکی صفت ہے۔ **لم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن و ھم مھتدون** ☆ اور یہ جنکے چہروں کے رنگوں میں نقصان تھا ان کی صفت ہے۔ **خلطوا عملا صالحاً و اخر سیّئا فتابوا فتاب اللہ علیکم۔** اور انہار میں سے پہلی اللہ کی رحمت ہے اور دوسری اللہ کی نعمت اور تیسری **وسقاھم ربھم شرابا طھورا** ☆

پھر ایک ایسے مقام رفیع میں پہنچے جہاں فرشتوں کے قلموں کی آواز سنائی دی جو مخلوق کے اندر تدبیر الٰہی اور وقائع عالم کے متعلق تھی اس جگہ عجائب وغرائب علوم عطا ہوئے۔ اور نماز جو پہلے نفل پڑھی جاتی تھی پانچ وقت فرض کی گئی۔ پھر سدرۃ المنتہیٰ پہنچے۔ جس پر کچھ ایسے رنگ چھائے ہوئے تھے، جسکا سمجھنا اور معلوم کرنا نہ ہوسکتا تھا۔ قرآن شریف میں بھی اسکی تصریح نہ فرمائی گئی اور اسی قدر کہا گیا **اذیغشیٰ السّد رۃَ مایغشیٰ** ☆

آپ کو بہشت کی سیر کرائی گئی اور نعائم بہشت کل دکھائی گئی۔ دوزخ اور اسکے کل مصائب و

آلام پر بھی مطلع ہوئے۔ پھر قرب حق تعالیٰ میں ایسے ارفع واعلیٰ مقام میں پہنچے جہاں تک کوئی پیغمبر نہیں پہنچے تھے۔

شب معراج میں رویت باری تعالیٰ کے حاصل ہونے کے اثبات میں حضرت انس بن مالک، حضرت کعب، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم ہیں۔ حضرت عایشہ ،حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کو انکار ہے۔ یہ دونوں حضرات سورۂ نجم کی آیات شریفہ **ثم دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین اوادنیٰ ط فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ مااوحیٰ** ☆ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ شب اسریٰ میں یہ معاملات حضرت جبرئیل کے ساتھ ہوئے تھے۔ **الیٰ عبدہٖ** کی تفسیر کرتے ہیں **الی عبد اللہ** یعنی **فاوحیٰ جبرئیل الیٰ عبد اللہ محمد(صلی اللہ علیہ وسلم)مااوحیٰ** - رویت کی نسبت ان کا قول ہے کہ **ولقد رای نزلۃ اخریٰ عند سدرۃ المنتھیٰ** سے مقصود یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو انکی اصلی صورت پر دوسری بار دیکھنا ہے۔ اسکے سوائے رویت حق تعالےٰ کی نہ ہوئی۔ مثبتین اس آیت شریفہ کا مفہوم رویت جبرئیل ہی بتاتے ہیں۔ اسکے ساتھ اہل سنت کے علماء میں سے بعض منکر رویت ہیں بعض متوقف اور اکثر رویت ہونے کے قائل ہیں۔ کیونکہ قیامت میں رویت باری ہونے کے مقر کل اہل سنت ہیں۔ اور انکی دلیل قرآن مجید کی آیۃ شریفہ ہے جو خاص مؤمنین کے حق میں ہے۔

وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ ☆ اس دن بہت سے منہ بشاش اور چمکدار ہونگے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے۔

دوسری دلیل کلام پاک میں وہ ہے جو کفار کے حق میں ہے۔

کلاّ انھم عن ربھم یومئذلمحجوبون ☆ دیکھو یہ لوگ اس دن اپنے رب کو (دیکھنے سے) حجاب میں رہینگے۔

کفار قیامت میں پروردگار کے رویت سے حجاب میں رہینگے تو اہل ایمان ضرور ہے کہ حجاب میں نہ ہوں۔ حجاب میں نہ ہونے سے مقصود یہی ہے کہ حضوری میں ہوں رویت سے سرفراز ہوں۔ معتزلہ جو قیامت میں بھی رویت باری ہونیکے منکر ہیں اس آیہ کریمہ سے استدلال کرتے ہیں

لاتدرکہ الابصاروھویدرک الا بصار ☆ اسکو بینائی نہیں پاسکتی اور وہ (خدا) بینائیوں کو درک کرلیتا ہے۔

اہل سنت کا جواب ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں رویت کا انکار نہیں ہے۔ رویت اور درک میں

فرق ہے۔ رویت میں شے مرئی کا احاطۂ علم میں آنا ضرور نہیں۔ اور درک میں مدرک شے مدرک کے احاطہ علم میں آ جاتی ہے۔ چونکہ اللہ تعالےٰ کی ذات احاطہ میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے اسکو کوئی بھی درک نہیں کر سکتا۔ معراج کی شب میں رویت باری ہونے سے انکار میں حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس آیت شریفہ سے استدلال کیا ہے۔ اسکے جواب میں لوگوں نے یہی کہا ہے کہ درک کبھی بھی نہیں ہو سکتا اور رویت دنیا میں ان موجودہ آنکھوں سے نہیں ہو سکتی۔ آخرت میں ہوگی۔ جب قیامت میں عام و خاص سبھی مومنین کو رویت ہونا اہل سنت کے نزدیک مسلم ہے۔ تو اگر شب معراج میں اخص الخواص بندگان خدا سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ مرتبۂ قرب میں پہنچ کر رویت حق تعالیٰ ہو تو تعجب کی بات کیا ہے۔ رویت نہیں ہو سکتی ہے تو اس دنیا میں اس جسم کثیف کی آنکھوں سے نہ یہ کہ سب آسمانوں سے پار ہو کر اور ان کو جنکا جسم اطہر دوسروں کی روح سے بھی زیادہ لطیف ہو گیا ہو کہ چشم زدن میں زمین سے لیکر کل آسمانوں کو طے کر لیں۔

رویت کی بحث میں علامہ عسقلانی فتح الباری مین لکھتے ہیں۔

ومنع ذلک فی الدینا الا انه اختلف فی نبینا صلی الله علیه وسلم وما ذکر و ہ من الفرق فی الدنیا و الاخرة ان ابصار اهل الدنیا فانیة وابصارهم فی الاخرة باقیة جید ولکن لا یمنع تخصیص ذلک بمن ثبت و قو عه له ۔(لہ)

رویت الٰہی کا دنیا میں ہونا ممتنع کہا گیا ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے (یعنی آپکو رویت ہوئی کسی نے کہا کہ نہ ہوئی) اور دنیا و آخرت کے فرق کو جو بتاتے ہیں کہ اہل دنیا کی بینائی فانی ہے اور آخرت میں انکی بینائی بصفت باقی ہوگی یہ بات ٹھیک ہے لیکن اس تخصیص کو مانع نہیں جنکے حق میں رویت کا واقع ہونا ثابت ہو گیا ہے یعنی (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں)۔

بخاری شریف میں سورہ نجم کی تفسیر میں تو ''**دنیٰ فتد لیٰ فکان قاب قوسین او ادنی**'' کے معنی حضرت جبرئیلؑ سے قریب ہونا لکھا ہے۔ اور اکثر مفسرین بھی یہی کہتے ہیں۔ اور اوپر لکھا جا چکا ہے۔ لیکن اسی بخاری شریف میں کتاب التوحید میں بواسطہ شریک حضرت انسؓ کی روایت ہے۔ **حتیٰ جاء سدرة المنتهیٰ ودنا الجبار رب العزة فتدلیٰ حتیٰ کان قاب قوسین اوادنیٰ**

لہ باب قولہ تعالیٰ وجوہ یومئذ الخ صفحہ ۳۵۴ جلد ۱۳

فاوحی اللہ فیما اوحیٰ۔(پھر سدرۃ المنتہی میں آئے اور قریب ہوئے جبار رب العزت سے قریب میں بڑھے تو دوکمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی قریب تر پہونچے۔ پھر وحی کی اللہ نے جتنی وحی کرنی چاہی) یہاں اس روایت میں دناالجبار رب العزۃ اور فاوحیٰ اللہ سے ظاہر ہے کہ قرب جبرئیل نہ تھا قرب خدا تھا۔

خطابی نے ان کلمات اور اسکے علاوہ اس روایت کے دوسرے کلمات میں بھی شریک کا تفرد بیان کر کے اعتراضات کئے ہیں۔جسکا جواب علامہ عسقلانی نے فتح الباری میں دیدیا ہے۔اور کثیر بن خنیس کے طریق سے اموی کی معازی والی روایت اور اسکی طریق سے بیہقی کی روایت عن ابن عباس کو ھذا سند حسن و ھو شاھد قوی کہہ کر شریک والی روایت کو قوت دیدیا ہے۔اس میں یہ ہے کہ حضرت ابن عباس نے ولقد راہُ نزلۃ اُخریٰ کی نسبت کہادنیٰ منہ ربہ۔

فتح الباری اور عینی وغیر ہما شروح بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ منکرین رویت میں فقط حضرت عائشہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما ہیں۔اور ایک بزرگ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مختلف۔اور مثبتین میں حضرت عبداللہ بن عباس اور ان کے اصحاب اور حضرت کعب احبار وعروہ بن زبیر وحسن بصری وزہری ومعمر وامام احمد وغیرہم ہیں(رضی اللہ عنہم اجمعین)حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس پر حلف کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس قدر مصر تھے کہ جب کسی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکاری قول سنتے تھے تو اثبات رویت میں شدت کرتے تھے۔

ابن خزیمہ نے کتاب التوحید کے اندر اثبات رویت شب معراج میں روایات کثیرہ جمع کردیا ہے۔جیسا کہ فتح الباری میں مذکور ہے۔

مثبتین رویت میں زیادہ قلبی رویت کے قائل ہیں۔اور تھوڑے ان آنکھوں سے دیکھنے کے مقر ہیں۔

منکرین معراج کے اعتراضات میں سے ایک یہ ہے کہ اسقدر بعد مسافت جسکا بیان حدیث معراج میں ہے۔ایک آن میں قطع کرلینا سمجھ میں نہیں آتا اور عقل قبول نہیں کرتی ہے۔زمانہ غیر قار ہے پھر اس بعید مسافت کے سفر میں جانے اور پھر آنے تک ایک آن قائم نہیں رہ سکتی اگر چہ قلیل سے قلیل زمانہ فرض کرلیا جائے۔اُسکا قیام نہیں ہوسکتا۔

جواب اسکا یہ ہے کہ یہ غرض ہی نہیں ہے کہ زمانہ کو قرار ہوگیا تھا بلکہ مقصود یہ ہے کہ رات کے اقل قلیل حصہ میں جلد سے جلد یہ بڑے سے بڑا سفر تمام ہوگیا۔کہ آن کے آن میں گئے بھی اور آئے بھی۔نہ یہ کہ جانے کے وقت کی آن مراجعت کے وقت تک ٹھہری رہی۔

نقلی دلیل بہت بڑی وزنی جسم کے دوردراز جگہ سے پلک مارتے منتقل ہوکر پہنچ جانے کی مسلمانوں کے لئے جوقرآن مجید پرایمان رکھتے ہیں سورہ نمل کی آیۂ کریمہ کافی ہے۔

قال یا یھا الملئو ایکم یا تینی بعرشھا قبل ان یَا تونی مسلمین☆ قال عفریت من الجنّ اناا ٰتیکَ به قبل ان تقوم من مقامک وانی علیه لقویّ امینٌ ☆

سلیمان نے کہا اے سرداروتم میں کوئی ایسا ہے کہ اُس (ملک) کا تخت میرے پاس لے آئے پہلے اسکے کہ وہ سب فرمانبردار ہوکرمیرے پاس آئیں۔تو قوم جن میں سے ایک دیو نے کہا میں اُسے لے آتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں۔اور میں قوت رکھنے والا امانتدار ہوں۔

قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اٰتیک به قبل ان یرتد طرفک ط فلما راٰہُ مستقرا عندہ قال ھذا من فضل ربّی☆

اس نے کہا جسے کتاب کا علم تھا کہ میں اُسے آپ کے پاس لے آتا ہوں۔اس سے پہلے کہ آپکی آنکھ جھپکے پھر (سلیمان نے) اُسے رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔

مخلوق الٰہی میں سے ایک شخص کتاب الٰہی کے علم کی برکت سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں ایک بڑے بھاری تخت کو جوانسان سے کثافت وجسامت اور بوجھ میں بہت زیادہ تھادعوے کیساتھ پلک مارتے لے آیا۔قادرمطلق اپنی قوت وقدرت کاملہ سے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو اپنی طرف بلائے اور جبرئیلؑ جیسے مقرب فرشتے کورفاقت میں دے اور براق جیسی برق رفتارسواری مہیا کردے پھراُن کا جانا محال سمجھا جائے۔ایسی سمجھ کا مسلمان گویا خدا کی قدرت کاملہ پر یقین نہیں رکھتا۔اور بلقیس کی تخت لانیوالے سےقوت وقدرت میں کمتر جانتا ہے۔

روحانی قوت ہرانسان میں برابرنہیں ہوتی۔بلکہ کمالات انسانی کی کمی یا بیشی کی حیثیت سے قوت روحانی بھی کم یا بیش ہوتی ہے۔اول عوام جہاں کی ارواح بسبب غلبہ صفات حیوانیہ بہیمیہ و سبعیہ کے ظلماتی حجابات میں چھپ جاتی اوراس قدر مکدر ہوجاتی ہے کہ عالم علوی تک کسی طرح عروج نہیں کرسکتی۔دوم ان اہل علم کی ارواح جواپنی صفات بشریہ کوصفات ملکیہ سے تبدیل کرنے میں لگے رہتے ہیں اورابھی ان کی ارواح کوانجلاء کامل نہیں ہوا ہےان کی ارواح کوخواب میں کبھی کبھی عروج ہوتا ہے۔اورآیندہ ہونیوالی باتیں خواب میں معلوم ہوجاتی ہیں۔سوم ریاضت ومجاہدۂ نفس کے سبب سے ان کا جسم دوسروں کے قلب کے مانند لطافت رکھنے والا اوراُن کا قلب دوسروں کی روح کی طرح منجلی اورانکی روح دوسروں کے سر کے مانند قرب حق میں پہنچ گئی ہے۔ایسے اصحاب کی ارواح

خواب میں تو اکثر اور بیداری میں کمتر عالم علوی کی طرف عروج کیا کرتی ہے۔ یہ صفت اولیاء اللہ کی ہے یعنی صدیقین وشہداء وصالحین کی۔انہیں میں سے وہ لوگ ہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں چند لمحہ کے اندر چلے جاتے ہیں۔ ایسے بہت واقعات ان بزرگوں کی سیر کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ لیکن اس وقت کے مسلمان میں سے ایک گروہ اس کو خوش اعتقادی کی حکایات بتاتا ہے۔مگر کلام اللہ سے ایسے واقعات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔وہی سورہ نمل کی آیت کریمہ بتاتی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک معزز درباری نے ایسا کر دکھایا کہ دوسرے ملک میں پلک مارتے گیا اور آیا اور اُس پر مزید یہ کہ ایک بڑا تخت اُٹھا لایا کہتے ہیں کہ یہ آصف بن برخیا حضرت سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا۔ چہارم کمالات انسانی کے جامع جن کو خدائی دین اور افضال الٰہی نے کمالات انسانی کے اعلیٰ مراتب میں پہنچا دیا۔اور ملائک سیرت بنا دیا ہے۔انکا جسم لطافت وتنزیہ میں مرتاضین کی ارواح کے مثل ہو گیا ہے اس کو ارواح اور ان کے سر کی تنزیہ کی کیفیت بیان سے باہر ہے۔ یہ انبیاء ومرسلین ہیں۔ انبیاء کی روح کی لطافت وتنزیہ کو کیا پوچھنا ہے ان کے تو اجسام ہی لطافت میں صدیقین و شہداء وصالحین کی ارواح کے مثل ہو گئے ہیں۔یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جسم مبارک کو نمرود کی آگ جلا نہ سکی انکا جسم بمنزلہ روح کے ہو گیا تھا اور روح نوری چیز ہے جس پر آگ کا اثر نہیں ہوتا انکا جسم بھی سراسر نور ہو گیا تھا آگ کا اثر نہ ہو۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انکی والدہ نے تنور میں ڈالدیا اور سلامت رہے پھر تابوت میں بند کر کے دریا میں ڈالدیا ڈوبنے اور دم گھٹ کر مرنے سے بچ گئے۔تجلی حق تعالی کے وقت پہاڑ جیسا سخت اور ٹھوس جسم تو پارہ پارہ ہو گیا۔اور انکی آنکھوں کی بصارت میں فرق نہ آیا۔حالانکہ بعض دفعہ بجلی کی چمک سے آنکھ کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ ہاں انہیں بے ہوشی ضرور ہوئی۔اسکا سبب یہ ہے کہ عقل دراک ہے اس نے اُس تجلی کو درک کرنا چاہا اور نہ کر سکی اسلئے عقل اُنکی حیران ومخبوط ہو گئی۔ یہ وجہ بے ہوشی کی ہوئی۔ حضرت یونس علیہ السلام کے جسم لطیف کو مچھلی کا معدہ ہضم نہ کر سکا وجہ یہی کہ اُنکا جسم بمنزلہ روح کے تھا۔ روح کو ایسے حوادث فنا نہیں کر سکتے۔حضرت ادریس علیہ السلام کو اسی لطافت جسمی نے آسمان پر پہنچا دیا۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کا لقب ہی دیا گیا ہے۔انکو سولی پر کون چڑھا سکتا تھا۔حق تعالی نے انہیں زندہ اپنے پاس اُٹھالیا۔یعنی زندہ ہی آسمان پر چلے گئے۔کیونکر گئے اُس جسمانی لطافت کے سبب۔ ہمارے نبی کریم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ واٰلہ وسلم اپنے جسم شریف سے شب معراج میں آسمانوں اور عالم بالا کے تمامی مقامات سے طرفۃ العین میں گذر گئے اسی سبب سے کہ آپ کا جسم لطیف بمنزلہ دوسروں کی روح کے نہایت تنزیہ اور لطافت حاصل کر چکا تھا۔

عقلی دلیل بجلی کی رفتار کی تیزی کا اندازہ روشنی کی رفتار کی سرعت کا انکشاف ہو چکا ہے۔ یہ چیزیں نہایت سریع السیر ہیں ممکن ہے کہ آئندہ اس سے بھی زیادہ تیز رفتار کوئی چیز منکشف ہو جائے۔ جس طرح بجلی اور روشنی کی سرعت رفتار پر فلاسفہ کو یقین ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کو یقین ہے کہ جس قادر مطلق اور خالق برحق نے برق اور روشنی کو پیدا کیا اور ان میں سرعت رفتار فرمایا ہے۔ اپنے برگزیدہ پیغمبر حبیب خاص حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی ان تیز رفتار مخلوق سے بہت زیادہ اُس شب کو سرعت رفتار عطا فرمایا۔ **وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔**

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ زمین کے چاروں طرف متصل تو بھاری اور کثیف ہوا۔ اور دور جا کر ہلکی اور لطیف ہوا۔ پھر زمہریر (ٹھنڈک) پھر آگ یعنی آفتاب کی گرمی محیط ہے۔ انسان جب ان میں سے گذرنا چاہے تو رقیق ہوا سے تنفس پیدا ہونا۔ ٹھنڈک (زمہریر) کی جگہ میں بدن کا شل ہو جانا دم گھٹ جانا۔ کرۂ نار کی گرمی سے جل بھن جانا ضروری ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شب معراج میں ان سب مہالک سے سلامت کیونکر گزرے۔

جواب دم گھٹنا یا جلنا اس صورت میں متصور ہے کہ اُس میں سے گذرتے گذرتے اتنا وقت صرف ہو کہ اُس کے اثر سے متاثر ہو جائے۔ اور جب آن کی آن میں بجلی کوندنے کی طرح اُس کے اندر سے گزر جائے تو نہ دم گھٹنے کا احتمال ہے نہ جلنے کا۔

کہا جاتا ہے کہ کسی آئندہ زمانے میں مریخ ستارہ میں رہنے والوں سے اہل زمین نامہ و پیام کر سکیں گے۔ زمین و مریخ دونوں کرہ کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ جو لوگ ایسی امید رکھتے ہیں اور اسے ممکن جانتے ہیں۔ درمیانی چیزیں کرۂ ہوا۔ کرۂ زمہریر۔ کرۂ نار کے مزاحم ہونے کا خوف نہیں کرتے۔ وہ ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شب معراج میں آسمانوں سے پرے تشریف لے جانے کو محال کیوں سمجھتے ہیں ؎

تابردرت نشستم گم کردہ نام ہستم ہر کس کہ پرسد ازمن گویم نام نامی

محمد بن محمد بن محمد

☆☆☆

نسبت اویسی

از جناب حضور حضرت مولانا سید شاہ محمد رضوان اللہ قادری مدظلہ العالی
سجادہ نشیں خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف، پٹنہ

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ سیّد نا مُحَمّدٍ معد ن الجود و الکرم وآلہٖ وسَلم

خیر التابعین حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی بابرکت ذات تمام اویسیۃ النسبۃ اکابرین کی مقتدا ہے۔ کیونکہ آپ کی پہلی ذات ہے۔ جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں ظاہری طور پر حاضر ہوئے بغیر اپنی قوی نسبت سے پوری طرح فیضان نبوی ﷺ حاصل کیا۔ اس لئے بعد میں جو اولیاء کرام باطنی نسبت قائم کر کے براہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے متمتع ہوئے وہ اُویسی کہے گئے۔

صحیح مسلم کی روایت ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ راوی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَ رَجُلاً یاتیکم بالیمن یقال لهُ اویسٌ یمن سے ایک شخص تمہارے پاس آئیگا ان کا نام اویس ہوگا۔

پھر ان کی بعض علامتوں کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔

فمَن لقیه منکم فلیستغفر لکم تم میں سے جو ان سے ملئے ان سے استغفار کی درخواست کرے اپنے لئے۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں حضرت عمر فاروق کا ارشاد بھی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان خیر التَّابعِین رجلٌ یقاَ ل لهٗ تابعین میں افضل وہ شخص ہے۔ جس کا نام
اویس فمروہ فَلیستغفر لکم اویس ہے۔ جب ان سے ملو تو اپنے لئے
(صحیح مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ کتاب المناقب) استغفار کی درخواست کرو۔

صحیح مسلم کے علاوہ احادیث وسیر کی دوسری کتابوں میں بھی یہ روایت آئی ہے۔ مثلاً دلائل النبوۃ بیہقی، حلیہ ابونعیم، طبقات ابن سعد، تاریخ ابن عساکر۔ ان روایتوں میں مزید یہ بھی ہے کہ حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب اویس سے ملاقات کرو تو میرا اسلام ان کو کہو اور تم لوگ ان سے دعاء کی درخواست کرو۔ (بحوالہ جمع الجوامع علامہ جلال الدین سیوطی)

حدیث مرقوم سے حضرت اویس قرنی کی فضیلت ومنقبت ظاہر ہوتی ہے۔ تو اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل خیر وصلاح سے دعاء کی درخواست کرنے کا حکم ہے۔ اگر چہ طلب دعاء کرنے والا ان سے افضل ہو۔

حضرت اویس قرنیؒ کے فضل وکمال کے ثبوت کے لئے اس حدیث سے بڑھ کر کوئی ماخذ نہیں ہوسکتا ہے۔ ان کی قبولیت تامّہ کا اثر ہے کہ ان کی نسبت کی برکت سے اصحاب طریقت اور صوفیائے کرام میں اویسی نسبت اور اویسیہ سلسلہ قائم ہوگیا۔

اگلے دور میں بہت سے اکابر اولیاء اس نسبت کے حامل گذرے ہیں سب کا ذکر اس وقت مقصود بھی نہیں ہے۔ قریب کے زمانہ میں دیکھئے! پھلواری میں ایک بزرگ حضرت مخدوم شاہ شمس الدین جنید ثانی قدس سرہٗ بہت قوی نسبت اویسیہ رکھتے تھے۔ آپ کی ساری تعلیم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عیاناً ومشافہۃً ہوتی تھی۔ حضرت نے کلام پاک سبقاً سبقاً حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا۔

دہلی میں حضرت سید حسن رسول نما قدس سرہٗ بہت مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ جن کو اویسیت کی نسبت اور رسول نمائی کا درجہ حاصل تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ علامہ محدث حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر کے لئے وہ اپنے عہد کے کسی بزرگ سے ملے، جنہوں نے ان کو تعبیر بتائی کہ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ سید حسن رسول نما کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ اس دیار دہلی میں ہدایت خلق کی طرف کم ہوگئی ہے۔ خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سلسلہ اب آپ سے شروع ہوگا۔ (تفہیمات الٰہیہ)

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان بندگان خدا کا ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تعلق رہا ہے۔ یعنی سید حسن رسول نما اویسی النسبۃ تھے۔ ان کی وجہ اور واسطہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ دیار دہلی کی طرف تھی، جو ان کی وفات کے بعد کم ہوگئی۔

ہم لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل و انعام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایت و توجہ کا ہزار دل سے شکر گذرار ہونا چاہیئے کہ ایک ایسے بزرگ کے دامن تربیت سے وابستہ ہیں۔ جو اویسی نسبت کے حامل تھے اور مرتبہ رسول نمائی پر فائز تھے۔ یعنی حضرت مولانا سید وارث رسول نما قدس سرہٗ و افاض علینَا برّہٗ۔ یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی قادری پھلواروی کا سن وفات ۱۰۷۲ھ ہے اور حضرت سید حسن رسول نما دہلوی کا سن وفات ۱۱۰۳ھ ہے اور حضرت مولانا سید وارث رسول نما کا سن وفات ۱۱۶۶ھ ہے یعنی یہ تینوں اکابر ہم عہد تو نہیں قریب العہد تھے۔

اس کو مَوْ ھَبَتِ الٰھی سمجھئے کہ گیارہویں صدی ہجری اور بارہویں صدی ہجری میں ان اولوالعزم اولیاء کرام کے وجود سے ملک کا ماحول مستفید اور متمتع ہوتا رہا۔ ان اکابر کے طفیل میں اللہ تعالیٰ ہماری آنکھوں کو بھی زیارت نبوی کے نور سے منور فرمائے ؎

خوشا چشمے کہ رخسارِ تو بیند
خوشا جانے کہ جانانش تو باشی

☆☆☆

☆ لوح و قلم ☆
میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

۲

حضرت اقدس مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری قدس سرہ
"امام ملت و دین آفتاب شہر و دیار"

حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری

مکتوب مذکور میں حضرت نے جس انکسار کا اظہار فرمایا ہے وہ دراصل صوفیائے متقدمین کے تواضع اور بے نفسی کا نمونہ ہے، یہ بات عرفان رب اور عرفان نفس کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے ایک شیخ وقت اور مرجع خلائق عالم وصوفی خود کو ننگ اسلام و مسلمین اور ننگ خلائق کہتا ہے تو یہی اس کے عالی رتبی کی دلیل ہے حالانکہ حضرت اقدس کا مرتبہ یہ تھا کہ حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد جب مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی نے حدود شہر تک آ کر آپ کو رخصت کیا۔

آپ کے انکسار و تواضع کی بات درمیان میں آ گئی ہے تو برسبیل تذکرہ اس کا ایک دلچسپ واقعہ بھی ملاحظہ کرتے چلیے۔

ایک سال آپ کو لکھنو جانے کا اتفاق ہوا، اس وقت آپ خانقاہ مجیبیہ کے مسند سجادگی پر فائز نہیں ہوئے تھے۔ لکھنو میں آپ مولانا فتح محمد تائبؔ، صاحب خلاصۃ التفاسیر کے مہمان ہوئے، ایک دن اپنے رفقاء اور مولانا فتح محمد تائبؔ کے ساتھ، فرنگی محل، حضرت مولانا شاہ عبدالرزاق صاحب سے ملنے تشریف لے گئے، کچھ ہی دیر میں حضرت مولانا شاہ التفات احمد صاحب چشتی صابری، ردولی شریف بھی وہاں تشریف لائے اور صاحب سلامت کے بعد ممتاز جگہ پر بیٹھ گئے، اور شاہ صاحب سے باتیں کرنے لگے، لیکن ان کی نگاہ بار بار حضرت کی طرف اٹھ رہی تھی آخر انہوں نے حضرت سے مکان پوچھا، آپ نے فرمایا اطراف پٹنہ میں، مولانا فتح محمد تائبؔ نے آپ کا تعارف کرانا چاہا لیکن آپ نے اشارے سے ان کو روک دیا، کچھ دیر بعد حضرت شاہ التفات احمد صاحب نے پھر پوچھا کہ پٹنہ کے قریب ایک جگہ پھلواری شریف ہے، جناب اس سے واقف ہیں۔ آپ نے فرمایا بخوبی واقف ہوں، شاہ صاحب علیہ الرحمۃ نے پوچھا، وہاں سے آپ کو کوئی تعلق بھی ہے؟ حضرت نے فرمایا، بیعت اور غلامی کا شرف مجھے وہیں سے حاصل ہے،

شاہ صاحب نے فرمایا؛ جناب کو وہاں کن بزرگ سے بیعت ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ کے غلاموں میں ہوں، پھر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کے صاحب سجادہ کا نام اور خانقاہ کے احوال دریافت فرماتے رہے، آپ سب کا جواب دیتے رہے۔ تمام سوالات کے تشفی بخش جواب پا کر شاہ صاحب نے فرمایا، کہ جس تفصیل سے جناب وہاں کے حالات بتا رہے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب کو خانقاہ کے جزئیات تک کی خبر ہے۔ حضرت چپ رہے، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ ''حضرت شاہ علی حبیب صاحب قدس سرہ کے خلیفہ و داماد جناب شاہ بدرالدین صاحب کے ایک خلیفہ خواجہ سید حسن آروی سے مجھ کو بھی سلسلہ قادریہ وارثیہ کی اجازت پہنچی ہے، حضرت نے لاعلمی کے انداز میں فرمایا کہ پہنچی ہوگی، اس کے بعد آپ، حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب سے رخصت ہو کر وہاں سے واپس ہوئے، راستہ میں مولانا فتح محمد تائبؔ نے کہا کہ میں تو جناب کی اس ادا پر لوٹ گیا، اس انداز میں آپ نے ان سے گفتگو کی کہ وہ بالکل نہ سمجھ سکے کہ آپ خاص پھلواری کے رہنے والے اور خانقاہ کے رکن ہیں، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کا نام بھی لے لیا، حضرتؒ نے فرمایا کہ ان کا نہ سمجھنا بہتر ہوا، دو وجہ سے، ایک تو یہ کہ مجھ کو اپنا تعارف کرانے اور اپنے پیر کی جزئیت ظاہر کرنے میں ادباً احتیاط ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان کو علم ہو جاتا کہ میں ہی بدرالدین ہوں تو اس تعلق کی بنا پر ان سے جان چھڑانی مشکل ہو جاتی، اور مجھے یہاں زیادہ دن ٹھہرنا نہیں ہے۔

اُدھر، حضرت کے تشریف لے آنے کے بعد، حضرت شاہ التفات احمد کو پھر تجسس ہوا اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالرزاق صاحب سے پوچھا کہ یہ کون بزرگ تھے؟ شاہ عبدالرزاق صاحب نے ہنس کر فرمایا، آپ اتنی دیر ان سے گفتگو کرتے رہے جب بھی نہ پہچانا یہی بزرگ حضرت شاہ بدرالدین صاحب تھے، خاص پھلواری کے رہنے والے، حضرت شاہ علی حبیب صاحب علیہ الرحمۃ کے خلیفہ و داماد۔ شاہ التفات احمد صاحب نے فرمایا کہ میں تو اتنی دیر تک سخت مغالطہ میں پڑا رہا، دیر تک ان سے گفتگو ہوتی رہی، میں خانقاہ کے حالات پوچھتا رہا یہاں تک کہ ان کا نام لیکر اپنا تعلق بھی ظاہر کیا پھر بھی انہوں نے ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ کون ہیں، کیا انکسار و استتار ہے، میں تو ان کا قائل ہو گیا، اب یہ

بتائیے کہ وہ یہاں سے اٹھ کر کہاں گئے ہیں، شاہ عبدالرزاق صاحب نے فرمایا کہ وہ مولوی فتح محمد تائبؔ کے مکان پر ٹھہرے ہیں شاہ التفات احمد صاحب نے فرمایا کہ میں ان سے ضرور ملوں گا وہ بڑے بے نفس اور ملنے کے لائق بزرگ ہیں لیکن شاہ صاحب کو اس دن موقع نہیں ملا اور شام کی ٹرین سے حضرت اقدس پھلواری واپس ہو گئے۔

اس واقعہ کا ذکر خود حضرت شاہ التفات احمد صاحب نے خواجہ سید حسن آروی سے کیا تھا جب وہ ردولی شریف عرس میں گئے تھے اور تعارف نہ ہونے پر حسرت ظاہر کی، خواجہ سید حسن نے حضرت اقدس سے آ کر بیان کیا (غم پر ملال ص ۲۲)

نماز جو دین کا اہم رکن ہے، اور خشوع و خضوع اور صفائے قلب کے بغیر درست نہیں ہوتی، اسکی درستگی اور اس میں کمال پیدا ہونے کیلئے حضرت نے جو طریقہ بتایا ہے اس پر سچائی کے ساتھ عمل کیا جائے تو وہی نماز، فحشاء و منکرات سے روکنے والی نماز ہوگی، حضرت نے اس سلسلے میں جو افاضہ فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

خطاب بحق تعالیٰ بتوجہ تمام تر و مغفرت خواستن برائے خود و والدین و جملہ مومنین و مومنات، دوستان و دشمنان، برائے ہمہ مغفرت خواستن باید و ہرگز دراں وقت از جانب ہیچ کے از اہل ایمان و اسلام دردل خود بغض و کینہ ندارد و باید کہ در ابتدائے نماز وقت تحریمہ پیش از تکبیر افتتاح دل خود راازیں قسم کدورات پاک سازد تا چنانکہ ظاہر جسمش بسبب وضوء و غسل پاک شدہ است باطنش نیز پاک گردد۔[1]

(درود کے بعد قعدۂ اخیرہ میں دعاء پڑھنے کے وقت) حق تعالیٰ سے پوری توجہ کے ساتھ مخاطب ہوں، اور اپنے لئے، اپنے والدین کیلئے اور تمام مومنین و مومنات کیلئے، دوستوں اور دشمنوں سب کے لئے دعاء مغفرت کرنا چاہئے، اور اس وقت میں ہرگز کسی بھی مسلمان سے اپنے دل میں بغض و کینہ نہیں رہنا چاہئے، اور چاہئے کہ ابتدائے نماز میں تحریمہ کے وقت تکبیر افتتاح سے پہلے اپنے دل کو اس قسم کی کدورتوں سے پاک کرلے، تاکہ جس طرح نمازی کا جسم وضوء و غسل کے سبب پاک ہو چکا ہے، اس کا باطن بھی پاک ہو جائے۔

اس تعلیم سے کتنے اہم فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اور قوم کو اس کی کتنی ضرورت ہے۔ ایک طرف

---

[1] مکتوب مورخہ ۱۱ ۱۳۱۱ھ بنام مولانا شاہ حمید الحق

اگر نماز پاکیزگیٔ قلب کے ساتھ ادا ہوگی تو دوسری طرف مسلمانوں کے دل ایک دوسرے کی طرف سے صاف ہوں گے، کثرت صلوٰۃ اس جذبے کو پیدا کرنے میں معاون ہوگی۔

نماز میں توجہ اور یکسوئی بڑی اہم چیز ہے، اور بالعموم نماز ہی میں ذہن غیر ضروری خیالات کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔اس میں توجہ حاصل ہونے کے لئے مکتوب گرامی کی تحریر لائق مطالعہ ہے۔

برائے دلبستگی ، درنماز طالب مشارالیہ رافرمایند کہ رسالہ نماز با معنی از خدمت زبدۃ الحکماء حکیم غلام نبی صاحب لاہوری یا از منیجر اخبار وکیل امرتسر، طلب فرمایند، اول الذکر بمطالعہ احقر آمدہ تا دعائے قنوت ادعیہ ومقروات ہر ارکان راترجمہ کردہ است واز کیفیت آخر الذکر اطلاع ندارم اشتہارش فقط بمطالعہ آمدہ است۔غرض آنکہ معنی ادعیہ و آیات رادر نماز لحاظ دارند و حضرت حق تعالی را حاضر و ناظر دانستہ درقرأت قرآن مجید وادعیہ وغیرہ بہ جاہائے کہ صیغہ یا ضمیر حاضر باشد خطاب، ودرصیغۂ ضمیر غائب، اشارہ بحق تعالی کردہ باشند۔[1]

نماز میں دلبستگی کیلئے طالب مذکور کو فرمائیں کہ بامعنی نماز والا رسالہ زبدۃ الحکماء حکیم غلام نبی صاحب لاہوری سے یا منیجر وکیل امرتسر سے طلب کریں اول الذکر (یعنی لاہوری رسالہ) احقر کے مطالعہ میں آچکا ہے، دعائے قنوت (جو نماز میں پڑھی جاتی ہے) ہرارکان کی دعاؤں کا ترجمہ کردیا ہے۔ آخر الذکر رسالہ (یعنی امرتسر کا رسالہ) کی کیفیت معلوم نہیں، صرف اس کا اشتہار نظر سے گذرا ہے،--- غرض یہ ہے کہ ادعیہ وآیات کے معنی کا نماز میں لحاظ رکھیں اور حضرت حق تعالی کو حاضر و ناظر جان کر قرآن مجید اور دعاؤں کے پڑھنے میں جہاں حاضر کے صیغے اور ضمیر ہیں وہاں حق تعالی کو مخاطب کریں اور جہاں غائب کے صیغے اور ضمیریں ہیں وہاں حق تعالی کی طرف اشارہ کریں۔

وساوس نفسانی سے بچنے کی ترغیب وتلقین کرتے ہوئے ایک بزرگ حکیم سید محمد مہدیٔ صاحب کو تحریر فرمایا کہ وساوس نفسانی کی مختلف قسمیں ہیں، وسوسہ اعتقادیات میں بھی ہوتا ہے، یعنی اللہ تعالی کی ذات وصفات یا رسالت میں شبہات پیدا ہوتے ہیں، اس کا علاج یہ ہے کہ جب اس طرح کے وسوسے سر اٹھائیں تو اپنی بائیں جانب تُف (تھوتھو) کریں اور "**اعوذ باالله من الشيطان الرجيم**" کہیں مزید وساوس کے ازالہ کیلئے حضرت نے کچھ خاص وظیفے بھی بتائے ہیں،

[1] مکتوب مورخہ ماہ جمادی الاولی ۱۳۲۸ھ بنام خواجہ حسن نظامی علیہ الرحمۃ

وہ یہ کہ ہر روز ایک وقت متعین کر کے سو بار پڑھا جائے ''اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّی لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئاً'' حضرت نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ وساوس اعمال نیک میں بھی ہوتے ہیں، مثلاً نماز میں، اور یاد الٰہی میں وسوسے مزاحم ہوتے ہیں اور جمعیت دلی کو پراگندہ کرتے ہیں اور طرح طرح کے خیالات پیدا کر کے اللہ تعالی کی طرف سے توجہ پھیر دیا کرتے ہیں، اس کے دفع کرنے کے لئے حضرت نے یہ وظیفہ تلقین فرمایا ہے ''ہر روز قل اعوذ برب الناس، سو (۱۰۰) بار پڑھ کر دل پر دم کیا جائے [1] تو شیطانی ونفسانی وسوسے زائل ہو جائیں گے۔

بندے سے گناہ سرزد ہونا اس کی بشری صفات کا اثر ہے، لیکن اس کے مومنانہ اوصاف فوراً توبہ کا تقاضا کرتے ہیں، حضرت اقدس توبہ کے سلسلے میں تلقین فرماتے ہیں۔

در حدیث شریف وارد است کہ اگر کسے مرتکب گناہ شود باید کہ تازہ وضو کند و دو رکعت نفل صلوٰۃ التوبہ گزارد، بعد از سلام از حق تعالی مغفرت گناہ خواہد و بدل توبہ کند کہ بار دگر ایں گناہ نخواہم کرد، اللہ تعالی او را بہ بخشد، و در توبہ کردن بہ نماز توبہ خواندن جلدی باید کرد۔ [2]

حدیث شریف میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص گناہ کا مرتکب ہو جائے تو اس کو تازہ وضو کرنا چاہئے اور چاہئے کہ دو رکعت نفل صلوٰۃ التوبہ ادا کرے، سلام کے بعد حق تعالی سے اپنے گناہ کی مغفرت چاہے اور دل سے توبہ کرے کہ دوسری بار یہ گناہ نہیں کرونگا، اللہ تعالی اس کو معاف فرما دے، اور توبہ کرنے میں یا نماز توبہ پڑھنے میں جلدی کرنا چاہئے۔

حضرت اقدس اپنی نجی مجلسوں میں بھی لوگوں کی اصلاح فرماتے تھے، آپ کے سامنے اگر کوئی شخص غیر شرعی اور خلاف سنت کام کرتا تو اس کو فوراً روکتے اور مناسب انداز میں سمجھا دیتے، اس معاملے میں مداھنت آپ کو گوارا نہ تھی۔ ایک مرتبہ بعد نماز عصر مسجد سے متصل تشریف فرما تھے، حاضرین مجلس کو چائے پیش کی جا رہی تھی، ایک عرب بھی مجلس میں موجود تھا، اس کے سامنے چائے کی پیالی رکھی گئی تو اس نے بائیں ہاتھ سے پیالی اٹھائی منہ تک لے گیا تھا کہ حضرت کی نظر پڑ گئی۔ آپ نے تیز لہجے میں فرمایا ''بالیمین'' (یعنی دائیں ہاتھ سے) اس نے فوراً پیالی دائیں ہاتھ میں لے لی۔

---

[1] مکتوب بنام سید محمد نمر جہان آباد (گیا) مورخہ ۱۳۲۹ھ [2] مکتوب بنام مولوی واعظ الحق وکیل مرحوم گیا مورخہ ۱۳۳۴ھ

اصلاح کے مستحق عوام وخواص بھی ہو سکتے ہیں، آپ کی مجلس میں موجود خاص اور پڑھے لکھے لوگوں سے بھی ایسی کوئی غلطی سرزد ہوتی تو آپ ان کو بھی مناسب الفاظ میں متنبہ فرما دیتے تھے، آپ کی شخصیت کے اثر اور خوش بیانی سے مخاطب بخوشی اصلاح قبول کر لیتا تھا۔

مولانا محمد علی جوہرؔ تحریک خلافت کے سلسلے میں پہلی بار پھلواری آئے تو حضرت سے ملاقات کی، کیونکہ صوبہ بہار میں اس تحریک کو حضرت اقدس کی مکمل تائید وحمایت بلکہ قیادت حاصل تھی۔ مولانا محمد علی جوہرؔ کے ساتھ دوسرے حضرات بھی تھے۔ حضرت نے چائے اور بسکٹ سے مہمانوں کی ضیافت کی، مولانا نے بسکٹ بائیں ہاتھ سے اٹھایا، حضرت نے زیرلب تبسم کے ساتھ فرمایا کہ ''حدیث میں دائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا حکم ہے'' مولانا بڑے آدمی تھے انہوں نے فوراً بسکٹ ہاتھ سے رکھ دیا اور کھڑے ہو کر آپ کو سلام کیا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اب تک کسی نے متنبہ نہیں کیا تھا۔ [1]

حضرت اقدس کو علوم قرآنی پر عبور حاصل تھا، آپ کے اکابر واسلاف رموز قرآن سے پورے باخبر تھے، قرآن کریم کے تعلیم وتعلّم میں ان کی عمریں گذری تھیں، اسلئے قرآن کریم سے آپ کا شغف فطری اور موروثی تھا، آپ کی دلی خواہش تھی کہ عام مسلمان قرآن سمجھ کر پڑھیں۔ مولانا فتح محمد خاں جالندھری کے ترجمۂ قرآن کو آپ نے پسند فرمایا تھا۔ مولانا کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے لکھا۔

''مجھے اس امر کی بے انتہا مسرت ہوئی کہ حضرت کو قرآن مجید کی طرف توجہ ہے اور حضرت چاہتے ہیں کہ لوگ قرآن مجید کا علم حاصل کریں۔''

حضرت اقدس نے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ پڑھنے کے لائق ہے، کلام ربانی سے آپ کو کس قدر والہانہ تعلق تھا۔ یہ دراصل اللہ تعالیٰ سے غایت عشق وتعلق قلبی کا نتیجہ تھا، تحریر فرماتے ہیں۔

''آپ نے اس بات پر اپنی مسرت کا اظہار فرمایا ہے کہ میں قرآن مجید کا علم حاصل کرنے کی طرف لوگوں کو شوق دلاتا ہوں، دعاء فرمائیے کہ میری زندگی بھر بلکہ میرے بعد یہ سلسلہ جاری رہے، پڑھنے والوں میں ختم کرنے کے بعد بھی اس کا شوق بڑھتا ہی رہے، مکرر سہ کرر، ترجمۂ قرآن پڑھنے پڑھانے کا دور باقی رہے اور میرا خاتمہ خدا کی

---

[1] یہ واقعہ خانقاہ کے متعدد بزرگوں سے سنا گیا ہے، جو اس وقت وہاں پر موجود تھے۔

یاد میں خدا کے نام پر ہو اور قرآن مجید سننے پر ہو، قبر میں بھی نماز اور قرآن مجید پڑھنے کی خدائے کریم اجازت عطاء فرمائے۔''[1]

فہم قرآن کو عام کرنے کے خیال سے حضرت اقدس نے غیر عربی دانوں کیلئے اپنی خانقاہ میں درس قرآن کا اہتمام فرمایا، اس ضرورت کی طرف حضرت نے اس وقت توجہ فرمائی جب علماء اور بالخصوص مشائخ تو بالکل ہی اس سے بے نیاز تھے، قرآن فہمی کو عام کرنے کی عملاً کوشش حضرت اقدس سے پہلے، (راقم کے علم کی حد تک) کم از کم صوبہ بہار میں تو نہیں شروع ہوئی تھی، ہفتہ میں ایک دن درس قرآن کیلئے متعین تھا، حضرت خود اپنی خلوت میں ترجمہ اور تفسیر بیان فرماتے تھے۔ حضرت کا اصل مقصد عربی نہ جاننے والوں میں خود سے قرآن کا ترجمہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنا تھا اور اس میں آپ کا ایک مخصوص طریقہ تھا جو بہت کامیاب رہا، عربی سے جو لوگ بالکل نابلد ہوتے تھے صرف فارسی اور انگریزی جانتے تھے وہ تھوڑی محنت و کوشش سے اچھی طرح قرآن کریم کا ترجمہ کر لینے کی صلاحیت پیدا کر لیتے تھے۔

حضرت اقدس نے قرآن کی تعلیم کا سلسلہ سب سے پہلے اپنے گھر سے شروع کیا تھا، خانوادے کے مرد تو باقاعدہ علوم دینیہ کی تحصیل اور تدریس میں لگے ہوئے تھے، خواتین خانہ میں دینی تعلیم کا اہتمام اس حد تک نہیں تھا، تقریباً پورے ہندوستان میں علماء و مشائخ کے خانوادے میں خواتین کی باقاعدہ عربی تعلیم کا رجحان نہیں تھا۔ لیکن اخلاقی تربیت ان کی، اخلاص و تقویٰ کے ماحول میں بہت عمدہ ہوتی تھی۔

---

[1] تکلیفات شرعیہ یعنی نماز و روزہ کی پابندی صرف دنیاوی زندگی میں ہے، لیکن مقربین عالم آخرت و برزخ میں بھی عبادت الٰہی کی طرف مائل رہیں گے، قبر میں بعض انبیاء کے نماز پڑھنے کا ذکر حدیث میں ہے۔ چنانچہ شب معراج میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا، بعض بزرگوں کے مکاشفات کے مطابق بعض اولیا بھی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے پائے گئے حضرت تاج العارفین کے ایک خلیفہ کو حضرت مخدوم الملک کے آستانے پر حاضری کے لئے بہار شریف جانے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا تھا، شیخ نے دستگیری کی اللہ نے ان کو بچایا، اسی دن خواب میں حضرت تاج العارفین نے مخدوم صاحب کو دیکھا تو شکایتاً عرض کیا کہ میرا ایک مرید آپ کے آستانہ پر جا رہا تھا اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آ گیا، آنجناب نے اس کی طرف توجہ نہیں فرمائی، حضرت مخدوم نے فرمایا ''میں اس وقت عصر کی نماز پڑھ رہا تھا (تذکرۃ الکرام) حضرت اقدس بھی مقربین کے اسی زمرے میں تھے۔''

حضرت اقدس نے گھر کی عورتوں کو قرآن کی صرف اتنی تعلیم دینی چاہی جس سے وہ قرآن کے معنی سمجھ سکیں، اس زمانے میں اتنی تعلیم بھی بڑی اہم بات تھی، یہ سلسلہ شروع ہوا اور کامیاب رہا، لیکن مستقلاً جاری نہیں رہ سکا، مولانا فتح محمد خاں جالندھری کے نام مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

''قریب چالیس برس کے گزرا ہوگا کہ مجھے خیال آیا کہ بعض خاص اہل قرابت عورتوں کو قرآن مجید کا ترجمہ اس طرح پڑھاؤں کہ ان میں ترجمہ کرنے کا سلیقہ آجائے، قرآن مجید کی تلاوت میں معنی بھی سمجھتی جائیں، پھر اسی طرح یہ، دوسری عورتوں کو تعلیم کریں۔ میں نے ان کی تعلیم کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ لفظی معنی بتا کر اسے ملانے اور جملہ بنانے کو کہا، جملہ بنانے میں جو روک واقع ہوتا اس کو بتا دیتے۔ کچھ دن کے بعد مترجَم قرآن مجید میں اس کے اور مترجَم کے الفاظ کی ترکیب کو دکھاتے، اور یہ کہ مترجم نے کس خوبی سے ادا کیا ہے، اس طرح اس کو جملہ بنانے کے حسن و قبح سے اطلاع ہو جاتی، دو تین پارہ کے بعد ترجمہ کرنے کا انداز آ گیا تھا کہ پڑھنا چھوٹا، کسی نے دو ڈھائی پارہ سے زیادہ نہ پڑھا، ان سبھوں کو خانہ داری کا انتظام، لڑکوں کی پرورش اور بیمارداری وغیرہ نے روک اور مزاحمت پیدا کی۔ اس کے بعد جس زمانے میں مولوی فتح محمد مرحوم کی خلاصۃ التفاسیر چھپ رہی تھی اور دو-دو تین- تین جز و چھپ کر میرے پاس آجاتی تھی، ایک شخص فارسی خواں نے پہلے مجھ سے قرآن شریف پڑھا، پھر ترجمہ اس طریق سے پڑھا جس کا اوپر بیان کیا گیا ہے، پھر خلاصۃ التفاسیر کو بھی آخر تک تمام کیا۔

ادھر دو ایک سال سے یہ شغل پھر شروع ہوا ہے، اس وقت بھی قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے والے عربی کے صرف ونحو سے ناواقف، فقط فارسی اور انگریزی جاننے والے ہیں۔ اس سے زیادہ عدالت کی کچہری سے تعلق رکھنے والے اور پھلواری سے کافی کوس دور کے رہنے والے ہیں، اس سبب سے ہفتے میں ایک دن یکشنبہ کو ترجمہ پڑھنے کو آیا کرتے ہیں، پندرہ پارہ تمام ہوگیا ہے۔ اب ترجمہ اچھی طرح سے کرتے ہیں، لغات قرآن کے بعض رسالے ان کے پاس ہیں جس سے ان الفاظ کے معنی دیکھ لیا کرتے ہیں۔ جو پڑھے ہوئے نہیں ہوتے ان کے ترجمہ کرنے کے بعد مختصر مطلب میں سمجھا دیتا ہوں، دو تین سال سے ماہ رمضان مبارک میں تپش سخت ہوتی ہے، روزہ رکھ کر تپش میں آنا جانا مشکل ہے اس لئے رمضان میں نہیں آتے'' [1]

حضرت اقدس مجتہدانہ بصیرت رکھتے تھے، امور دینیہ میں لگے بندھے طریقہ پر رہنے کے قائل نہ تھے، آپ کی نگاہ دین کے اسرار و رموز اور اس کے مقاصد پر ہوتی تھی، حصول مقصد کے لئے جائز اور مناسب طریقوں پر عمل کرنے میں آپ کو کوئی تردد نہ ہوتا تھا، آپ کے زمانہ میں قرآن کریم کے متعدد اردو ترجمے آچکے تھے، لیکن اسی کے ساتھ اردو زبان بہت تیزی کے ساتھ ترقی کر رہی تھی، زبان میں سلاست و روانی آرہی تھی اسلوب و محاورات بدل رہے تھے اس لئے بدلتے ہوئے دور کے ساتھ آپ چاہتے تھے کہ فہم قرآن کو آسان تر بنانے کے لئے عصر حاضر کی صاف وستھری اردو میں ترجمہ کیا جائے، کیونکہ قدیم ترجموں سے لوگوں کو بات سمجھ میں نہیں آتی ہے اسی لئے آپ مختلف ترجموں کا مطالعہ فرماتے رہتے تھے اور ان پر آپ کی اپنی ایک ناقدانہ رائے ہوتی تھی۔ چنانچہ ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے ترجمے قرآن پر آپ کو اعتراض تھا۔ بعد کے ترجموں میں جو ترجمہ آپ کو پسند آیا وہ مولانا فتح محمد تائب لکھنوی مرحوم کا ترجمہ خلاصۃ التفاسیر ہے۔ اس کے بعد جس دوسرے ترجمۂ قرآن کو آپ کی پسندیدگی کی سند حاصل ہوتی وہ مولانا فتح محمد خاں جالندھری کا ترجمۂ قرآن ''فتح الحمید'' ہے۔ اس کو آپ ''اصح التراجم'' فرماتے تھے اور لوگوں کو اسی ترجمہ کو پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے۔ ترجمۂ قرآن سے متعلق مولانا فتح محمد خاں جالندھری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] مکتوب ۲۵/شعبان ۱۳۴۰ھ

قدیم تراجم قرآن اردو میں جس وقت لکھے گئے تمام تر صحیح اور مناسب تھے۔ اب اردو زبان کی اصلاح ہو جانے، محاورات کے بدل جانے سے قدیم تراجم سے لوگوں کی تسکین خاطر نہیں ہوتی، اس وقت نئے ترجمے کی ضرورت تھی۔ جن لوگوں نے اس کی طرف توجہ کی اس کو انجام دیا اللہ تعالیٰ ان کو جزاء خیر دے۔

پہلا نیا اردو ترجمہ مولوی فتح محمد مرحوم تائب لکھنوی کا، جو ان کی خلاصۃ التفاسیر کے ساتھ چھپا تھا، احقر کے مطالعہ میں آیا، دل کو بہت مسرت ہوئی کہ نئے ترجمے کا طالب ہی تھا، پھر بعض دوسرا ترجمہ دیکھنے میں آیا، اس کے بعد ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کا ترجمہ طبع اول بڑی تقطیع والا ملا، ساتھ اس کے رسالہ ''اصلاح ترجمۂ دہلویہ'' مولوی اشرف علی صاحب تھانوی، مطالعہ میں آیا۔ جس سے وہ فروگذاشت سب ظاہر ہوئیں جو فقہی مسائل کے متعلق اس ترجمہ کے اندر ہوتی ہے۔ اور ڈپٹی صاحب نے ان فروگذاشتوں پر مطلع ہونے کے بعد بھی طبع ثانی میں نظر ثانی اور اصلاح وغیرہ نہ کی اس ترجمہ کے مطبوع خاطر نہ ہونے کا یہ پہلا سبب ہوا، پھر جب آپ کا ترجمہ فتح الحمید منگایا اور بعض بعض مقام پر احقر نے ڈپٹی صاحب مرحوم کے ترجمے سے مقابلہ کیا تو ڈپٹی صاحب کے ترجمہ میں ہلالی خطوط کے درمیان ضرورت سے بہت زیادہ الفاظ پائے جو آپ کے ترجمے میں نہ تھے۔ یہ دوسرا سبب ان کے ترجمہ کے مطبوع خاطر نہ ہونے کا ہوا اور آپ کے ترجمہ کو ان عیوب سے پاک پا کر اس کو میں نے بہترین سمجھا، ایک سال سے کچھ زیادہ ہوا کہ میں نے گورکھپور سے علامہ محمد احسان اللہ عباسی کا ترجمہ قرآن منگایا اور مختلف مقامات اسکے دیکھے۔ یہ ترجمہ بھی اچھا ہے اور جس طرح چھاپا گیا ہے، امید ہے پسند عام ہوگا۔[1]

اسی خیال کے تحت کہ ترجمۂ قرآن عوام کیلئے مفید ہونا چاہئے۔ آپ نے خود بھی قرآن مجید کا ترجمہ لکھنا شروع فرمایا تھا اور اس کا نام بیان المعانی رکھا تھا۔ لیکن ابتدائی چند صفحات کے بعد ترجمہ کا کام رک گیا۔ آپ کے گوناگوں مشاغل اور بے پناہ مصروفیتوں نے تکمیل کا موقع نہیں دیا۔

☆☆☆

---

[1] مکتوب ۱۳۴۰ھ بنام مولانا فتح محمد خاں جالندھری صاحب فتح الحمید

ہندوستانی صوفیہ کے سلسلے اور اُن کے امتیازات

جناب پروفیسر نثار احمد فاروقی
جامعہ نگر، نئی دہلی

یوں تو چھوٹے بڑے، معروف وغیر معروف صوفی سلسلوں کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے اور ہندوستان میں بھی جو سلسلے پائے جاتے ہیں وہ کئی درجن ہیں جن میں بڑے سلسلوں کی ذیلی شاخیں بھی آجاتی ہیں، اور اُن میں سے بیشتر کا ذکر ابوالفضل نے آئین اکبری میں کیا ہے، مگر اس ملک میں نہایت ممتاز اور بڑے سلسلے چار رہے ہیں: چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ اور نقشبندیہ۔ پہلے چشتی بزرگ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمہ ہیں، جن کی درگاہ اجمیر میں ہے، اُن کا وصال رجب ۶۳۴ھ میں ہوا تھا، اُن سے چار ماہ قبل اُن کے ممتاز خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ وفات پا گئے تھے، اس لئے خواجہ اجمیریؒ کے بعد چشتی سلسلے کی اشاعت حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی مبارک ذات سے ہوئی، جن کا مزار پاک پٹن پاکستان میں ہے۔ اُن کا وصال پانچویں محرم ۶۷۰ھ کو ہوا تھا، اُن کے خلفاء میں دو نام سب سے نمایاں ہیں، جن سے چشتی سلسلے کی دو شاخیں منسوب ہیں، یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ جن کی وفات ربیع الثانی ۷۲۵ھ (اپریل ۱۳۲۵ء) میں ہوئی اور حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابرؒ جن کی درگاہ کلیر میں ہے۔ ان دونوں بزرگوں سے جو سلسلہ رائج ہوا، اُس میں بہت سے نہایت ممتاز صوفیہ کے نام آتے ہیں، مثلاً چشتی نظامی سلسلے میں حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلیؒ، (وفات ۷۵۸ھ) حضرت برہان الدین غریب، (وفات ۷۳۸ھ)، حضرت چراغ دہلیؒ کے خلفاء میں حضرت سید محمد حسینی گیسو درازؒ (وفات ۸۲۵ھ) سے یہ سلسلہ سارے دکن میں رائج اور مقبول ہوا، اور آج تک ہے۔ اِسی طرح حضرت مخدوم علی احمد صابرؒ کے سلسلے میں حضرت شمس الدین ترک پانی پتیؒ، حضرت جلال الدین کبیر الأولیاء پانی پتی، حضرت احمد عبدالحق ردولویؒ، حضرت عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، حضرت خواجہ شاہ عبدالہادی امروہوی (وفات ۱۱۹۰ھ) اور پچھلی صدی میں

حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔ چشتی صوفیہ کی خصوصیات یہ ہیں کہ اُنھوں نے عام انسانوں سے اپنا براہِ راست تعلق رکھا، سرکار دربار سے دور رہے، کوئی منصب یا جاگیر قبول نہیں کی، اُن کی خانقاہوں میں ہر مذہب اور ہر فرقے کے لوگ آتے تھے، جو روحانی انوار و برکات کے طلبگار تھے اُنھیں سلوک طے کرایا جاتا تھا، وہ نفس کشی کے لئے مجاہدے بھی کرتے تھے، اور سادگی کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ سلوک کے مختلف مقامات ہیں جو توبہ سے شرع ہو کر فنافی اللہ اور بقاباللہ تک جاتے ہیں۔ ان مقامات میں صبر، توکل، قناعت، رضا، تسلیم وغیرہ ہیں۔ ''مقام'' صوفیہ کی ایک اصطلاح ہے جس کا مطلب ہے اُس کیفیت کا تجربہ اور یقین حاصل ہو جانا۔ چشتی صوفیہ کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا انسان سے معاملہ درست ہو، ہر ایک کا حق ادا کیا جائے، اِسی طرح بندے کا اپنے رب سے رشتہ استوار ہو، اور جو اللہ کے احکام ہیں وہ ادا کئے جائیں۔ چشتی خانقاہوں میں مرید کی تربیت پر خاص زور تھا، اور درس زیادہ تر کتابوں سے نہیں، عمل سے دیا جاتا تھا، یعنی نصیحت کا اثر زبانی کہنے سے نہیں ہوتا، اُس کو عمل میں دیکھنے سے ہوتا ہے۔ وہ علم کے مقابلے میں عمل اور عقل کے مقابلے میں جذبہ کو اہمیت دیتے ہیں، اِسی جذبے کی ترقی اور استواری کے لئے سماع سے بھی کام لیا جاتا تھا۔ چشتی سلوک کا سب سے اہم مظہر ''عشق'' ہے، اِس خانقاہی مدرسے یا تربیت گاہ میں داخلے کا نام ''ارادت'' ہے، جس کا اظہار واقرار کرنے پر ایک شخص خانقاہی نظام تربیت سے متعلق ہو جاتا ہے۔ چشتی درویش نفس اور قلب کے امراض کا طبیب ہوتا ہے۔ سب سے پہلے نفس کو زیر کیا جاتا ہے، یہ انسان کے غرور و تکبر، ظلم، بے رحمی اور جہالت کا مرکز مانا گیا ہے اس کو زیر کرنے اور قابو میں لانے کے لیئے حسب ضرورت مجاہدات کئے جاتے ہیں، شیخ ابراہیم ذوق نے کہا تھا:

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا　　بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

چشتی درویش ترک کی تعلیم بھی دیتے ہیں، مگر اس کا مطلب عوام نے غلط سمجھا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اپنے محبوبِ حقیقی یعنی اللہ کے سوا اور کسی میں دل اٹکا ہوا نہ ہو، ایک دل میں دو چیزوں کی محبت نہیں رہ سکتی، اِسی لئے وہ ترکِ دنیا کے بعد ترکِ عقبیٰ کی تعلیم بھی دیتے ہیں جسے مرزا غالب نے یوں کہا ہے:

طاعت میں تا رہے نہ مئے وانگبیں کی لاگ　　دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

چشتی صوفیہ کے نزدیک ترک کا مطلب یہ ہے کہ مالِ دنیا سے محبت نہ ہو، نہ دنیا کمانے میں اتنا اندھا ہو جائے کہ حلال وحرام کی تمیز بھی نہ رہے۔ عبادات میں وہ عبادت کی ظاہری رسموں کو نہیں اُس کی روح کو اہمیت دیتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ عبادت دو طرح کی ہوتی ہے ایک لازمی جیسے نماز، روزہ جس کا فائدہ یا ثواب صرف اُس کے ادا کرنے والے کو ہوتا ہے، دوسری عبادت متعدی ہے، جس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ متعدی عبادت لازمی عبادت سے افضل ہے۔ چشتی صوفیہ اسی لئے خدمتِ خلق کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ اگر وہ حاجت مندوں کو تعویذ دیتے یا وظیفہ بتاتے تھے تو اُس کا مقصد بھی اُن کے اندر اعتماد پیدا کرنا تھا، اسی لئے درویشوں کی مدد کو ''ہمت'' طلب کرنا کہا گیا ہے۔ چشتی بزرگ عمل میں ''اخلاص'' کو اُس کی روح مانتے ہیں، دکھاوے کے لئے کوئی کام کیا جائے تو اس کی کچھ وقعت نہیں۔ اپنے نفس اور اعمال کا محاسبہ کرنے کے لئے وہ مراقبہ کرتے ہیں، یہ اِس لئے ہے کہ دل و دماغ میں غلط اور فاسد خیالات کو گھسنے نہ دیا جائے۔ مراقب آج بھی نگراں یا چوکیدار کو کہتے ہیں۔ درویش کو چاہیے کہ توکل کرے، یعنی اللہ پر پورا بھروسہ ہو، اُس نے پیدا کیا ہے اور ساری مخلوق کو رزق دینے کا وعدہ بھی کیا ہے، اگر توکل ہوگا تو حریص بن کر اِدھر اُدھر بھٹکتا نہیں پھرے گا۔ درویش کسی سے سوال نہ کرے بلکہ دل میں یہ خیال بھی نہ لائے کہ یہ چیز مجھے مل جاتی تو اچھا ہوتا۔ خانقاہ میں لنگر کا نظام بھی چشتی سلسلے کی امتیازی خصوصیت ہے۔ آج بھی چشتی درگاہوں میں لنگر کا عام رواج ہے اور چشتیوں کی اس روایت کو دوسرے سلسلوں میں بھی اختیار کرلیا گیا ہے۔ سکھ دھرم میں بھی ''کڑاہ پرشاد'' کا تصور چشتی خانقاہوں سے گیا ہے۔

دوسرا بڑا صوفی سلسلہ سہروردیہ ہے۔ اِس کے بانی شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ ہیں۔ جن کی کتاب ''عوارف المعارف'' کو ہر زمانے میں علم سلوک و تصوف کی بہترین تصنیف سمجھا گیا ہے، اور یہ چشتی خانقاہوں میں بھی ایک نصابی کتاب کی طرح پڑھائی گئی ہے۔ شیخ شہاب الدین سہرورد یؒ حضرت شیخ سعدیؒ کے بھی پیرومرشد ہیں، اُن کا ایک ملفوظ شیخ سعدیؒ کی گلستاں میں بھی بیان ہوا ہے۔

شیخ شہاب الدینؒ سے بیعت کرنے کے لئے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ بغداد گئے تھے اور صرف ۱۷ دن اُن کی خانقاہ میں گذار کر اجازت وخلافت لے کر ہندوستان آئے تھے۔ یہاں اُنھوں نے سہروردی خانقاہ ملتان میں قائم کی، اور وہاں سے اِس سلسلے کا فیضان سارے ہندوستان میں عام ہوا۔ سہروردی بزرگوں نے تصوف کے نظری پہلو کو بھی اہمیت دی، اور اس کے دفاع میں بلند پایہ کتابیں تصنیف کیں، اُنھوں نے اپنے مکتوبات وملفوظات سے بھی تصوف کی تعلیم کو سہل اور عام فہم بنایا اور اِس پر زور دیا کہ تعلیمات تصوف شریعتِ اسلامیہ کے عین مطابق ہیں۔ ہندوستان میں سہروردی سلسلے کی مشہور خانقاہیں بدایوں، منیر (بہار) اور احمد آباد وغیرہ میں، پاکستان میں ملتان، لاہور، اور اوچ میں رہی ہیں۔ بعد کے زمانے میں اِس سلسلے میں حضرت شیخ رکن الدین سہروردی ملتانیؒ، شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ اور شیخ رکن الدین فردوسیؒ، حضرت مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشتؒ، جیسے ممتاز بزرگ پیدا ہوئے۔ ان میں اکثر بزرگ صاحبِ تصانیف ہوئے ہیں۔ سہروردی سلسلے کے مشائخ نے شاہانِ وقت سے بھی رابطہ رکھا، اور اس سے عوام کو بہت فائدہ پہنچایا۔ شیخ رکن الدینؒ کچھ زمانے تک دہلی میں رہے، اِس لئے کہ زینے سے گرنے کی وجہ سے اُن کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ جب دربار کی طرف جاتے تھے تو راستے میں عام لوگ اپنی عرضیاں اُن کی پالکی میں ڈالا کرتے تھے، یہاں تک کہ پالکی میں کاغذوں کا ڈھیر لگ جاتا تھا، وہ ان سب عرضیوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کرتے تھے، اور بہت سے مسکینوں کی اس طرح حاجت پوری ہو جاتی تھی۔ محمد تغلق کو ملتان پر حملہ کرنے سے اُنھوں نے ہی باز رکھا تھا۔

تیسرا بڑا صوفی سلسلہ نقشبندیہ ہے اِس کا اجراء حضرت شیخ بہاء الدین نقشبندؒ نے کیا تھا۔ ہندوستان میں یہ سلسلہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے ذریعے پہنچا جن کی درگاہ دہلی میں ہے۔ اُن کے ہزاروں مریدوں میں سب سے ممتاز حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الفِ ثانیؒ، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت مجددؒ کے فرزند خواجہ محمد معصومؒ اور پوتے شیخ سیف الدینؒ ہیں جن سے اورنگ زیب نے بھی بیعت کی تھی۔ بعد کے زمانے میں خود حضرت مجددؒ کی اولاد، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ، اُن کے خلیفہ حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ، حضرت شاہ ابوسعید مجددیؒ، حضرت عبدالغنی مہاجر مدنی وغیرہ ہوئے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ کے خلفاء میں حضرت مولانا خالد کردیؒ نہایت ممتاز ہیں، وہ کردستان (عراق) کے باشندے تھے، بہار کے ایک شخص سے حضرت شاہ غلام علی کے روحانی مرتبے کا حال سن کر ایسے وارفتہ ہوئے کہ پیدل سفر کرتے ہوئے دہلی آئے تھے اور یہاں خانقاہ میں ڈیڑھ سال قیام کر کے روحانی مراتب حاصل کئے تھے۔ بغداد اور سلیمانیہ میں اُن کا زیادہ وقت گذرا اور دمشق میں انتقال ہوا، وہیں جبلِ قاسیون پر اُن کی درگاہ ہے۔ اُن کے لاکھوں مرید ہوئے اور یہ سلسلہ عراق، شام، قبرص، ترکی وغیرہ ملکوں میں خوب شائع ہوا۔ نقشبندی بزرگ بھی اکثر صاحبِ تصانیف تھے، اُن کا بھی سرکار دربار سے کوئی رابطہ نہیں رہا، مگر اُنھوں نے حکومت وقت کو بالواسطہ خوب متاثر کیا۔ وہ مرید کی باطنی تربیت پر زور دیتے ہیں، اور لطائف کی جلا کرنا، قلب میں ذکر کو جاری کرنا، سنت نبوی کی پیروی کرنا، بدعات سے پرہیز وغیرہ ان کی تعلیمات کی خصوصیت میں سے ہے۔ قادری سلسلہ بھی ہندوستان میں اور خصوصاً دکن میں خوب شائع ہوا۔ اسکی نسبت غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف ہے، جن کا مزار مبارک بغداد میں ہے۔ یہ سلسلہ شریعت و طریقت کا جامع ہے، ذکر و شغل، وعظ وتذکیر، اصلاحِ معاشرہ اور تربیت باطن اِس سلسلۂ عالیہ کی خصوصیات میں سے ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو میں ان سلاسل کا بھرپور تعارف ممکن نہیں، لیکن ان سب کا مسلمانانِ ہند کی معاشرت اور انفرادی اخلاق پر گہرا اثر رہا ہے، اور انھوں نے غیر مسلموں کو بھی ہر دور میں بہت کثرت سے متاثر کیا ہے۔ ان بزرگوں کی تصانیف اور اُن کے ملفوظات یا مکتوبات ہماری ثقافت کا نہایت بیش قیمت سرمایہ ہیں۔

☆☆☆

مصباح الطالبین حضرت شاہ علی حبیب نصرؔ اور ان کا دیوانِ معجز بیان

ڈاکٹر سید محمد اسد علی خورشید
لیکچرر شعبہ فارسی، اے. ایم. یو، علیگڑھ

پٹنہ کے مضافات میں ایک قصبہ ''پھلواری شریف'' واقع ہے جو بڑا ہی مردم خیز خطہ ہے اور جہاں سے علم وعرفان کے درخشاں آفتاب و ماہتاب ہر دور میں جلوہ فگن ہوتے رہے ہیں۔ انسانی آبادی سے قبل تاریخی روایت کے اعتبار سے یہ علاقہ سلطنت موریہ کے عظیم حکمراں راجا اشوک کا باغ تھا جسے عرف عام میں ''پھلواری'' کہا جاتا تھا۔ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال قبل باغ کے معدوم ہو جانے کے بعد نسل انسانی کی آبادی کا سلسلہ شروع ہوا۔ پہلے سراوک، جین اور سناتن مذہب کے فقراء اور جوگیوں نے اسے اپنا مسکن بنایا، پھر صاحب تصرف و کرامات صوفیان اسلام نے اپنے وجود سے اس سرزمین کو بقعۂ نور بنانا شروع کیا اور ساتویں صدی ہجری سے قبل بہت سے اکابر اسلام نے انفرادی طور پر تشریف لا کر اسلام کی قندیلیں روشن کیں۔ فیروز شاہ تغلق کے عہد میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی اولاد سے ایک بزرگ حضرت مخدوم سید شاہ منہاج الدین راستی جیلانیؒ نے جو حضرت مخدوم شاہ شرف الدین احمدؒ یحیٰ منیری بہاریؒ کے خلیفہ و مرید و مسترشد تھے، باقاعدہ طور پر مقیم رہکر اعلائے کلمۃ الحق اور رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع فرمایا۔

دسویں صدی ہجری کے اوائل میں دھلی سے خاندان جعفریہ زینبیہ کے سربرآوردہ بزرگ سید شاہ محمد سعد اللہ جعفری زینبی اپنے صاحبزادہ حضرت امیر عطاء اللہ کے ساتھ پھلواری شریف تشریف لائے۔ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری زمانۂ شیر شاہ سوریؔ اور عہد ہمایونی میں امور سلطنت سے وابستہ رہے اور اہم مناصب پر فائز رہے۔ ۹۶۲ھ میں اکبر کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد امیر عطاء اللہ درباری امور سے انقطاع کر کے واپس پھلواری تشریف لے آئے اور اپنی بنا کردہ سنگی مسجد میں، جو آج بھی واقع ہے۔ گوشہ نشین ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ ان ہی امیر عطاء اللہ کی اولاد میں تاج العارفین حضرت مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری قدس سرہ کی ذات والا صفات ہے جو بڑے مرتاض زہد و اتقاء میں کامل اور فقر و استغنا میں جنید و شبلی کے مماثل تھے اور بارھویں صدی ہجری میں خانقاہ مجیبیہ

کے مسند ارشاد پر جلوہ افروز ہو کر آپ نے عوام کی رشد و ہدایت اور سالکان طریقت کی رہبری فرمائی۔

مصباح الطالبین حضرت مولانا سید شاہ محمد علی حبیب نصرؔ قدس سرہ حضرت تاج العارفین کے پسرِ پسرزادہ یعنی پرپوتے تھے۔ حضرت نصرؔ کی ولادت ۲۵ر رمضان المبارک ۱۲۴۹ھ چہارشنبہ کو پھلواری شریف میں ہوئی۔ آپ نے ابتدائی کتابیں شرح وقایہ تک اپنے چچا مولانا ابوتراب آشناؔ سے پڑھیں جو اپنے وقت کے متبحر عالم اور بہترین شاعر تھے۔ حضرت نصرؔ نے ۱۲۶۷ھ میں مولانا محمد حسین سے درسیات کی تکمیل کی۔ آپ کو علم حدیث سے خاص شغف تھا اور چونکہ محض انیس ۱۹ سال کی عمر یعنی ۱۲۶۸ھ میں ہی سالکان طریقت کی راہنمائی کا بارگراں کاندھوں پر آپڑا تھا۔ اور قیود وشرائط سجادگی اسفار میں مانع تھیں اس لئے اپنے ذوق کی تکمیل کے لئے آپ نے اخراجات کثیر برداشت کر کے اپنے برادر عم زاد مولانا شاہ آل احمد محدث مہاجر مدنی کو مدینہ طیبہ سے پھلواری بلایا اور عرصہ تک اپنے یہاں مقیم رکھ کر تشنگی ذوق کی تسکین فرماتے ہوئے علم حدیث کی تکمیل فرمائی۔

مصباح الطالبین حضرت نصرؔ کو اپنے والد ماجد حضرت ابوالحسن فردؔ سے سلسلہ قادریہ وارثیہ میں دست گرفتگی اور جمیع سلاسل کی اجازت وخلافت حاصل تھی۔ حضرت فردؔ بذات خود علم وفضل اور فقر وعرفان میں درجہ کمال پر فائز تھے، اور سخن سنجی میں بھی اساتید فن میں شمار ہوتے تھے۔ معاصرین میں راسخؔ عظیم آبادی اور حسرتؔ عظیم آبادی بڑے مداح تھے بلکہ حسرتؔ تو یہاں تک کہہ بیٹھے کہ ؎

درزمین ہند حسرتؔ بعد خسروؔ ہمچو فردؔ　　درگمان ما نہ شد پیدا غزلخوانِ دِگر

صاحبان تذکرہ روز روشن، تذکرۃ الشعراء اور ریاض الوفاق وغیرہ نے حضرت فردؔ کا ذکر بڑے والہانہ اور محترم انداز میں کیا ہے۔

حضرت نصرؔ نے متاہل زندگی بسر کی اور دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں آپ کی صلب سے وجود میں آئیں۔ ستائیس سال مسند ارشاد پر جلوہ گر رہنے کے بعد ۲۷ر ربیع الاول ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۷۸ء کو چھیالیس ۴۶ سال کی عمر میں بعارضۂ ذات الصدر آپ نے رحلت فرمائی۔

مصباح الطالبین حضرت علی حبیب نصرؔ فقر وعرفان میں بڑے اونچے مقام پر فائز تھے۔ آپ

کے خلفاء ومجازین اور تلامذہ کی فہرست طویل ہے۔ فقر وعرفان کی طرح علم وفضل میں بھی آپ درجۂ کمال پر متمکن تھے۔ آپ کی تصانیف میں نعت عظمٰی [1] اسوالات ستّہ، اسوۂ حسنہ، شواہد الجمعہ، رسالہ فضیلت سلام بقول السلام علیکم، رسالہ سوالات خمسہ، رسالہ منع خواندن درود درقعدۂ اولیٰ اور حلاوت قلوب وغیرہ شامل ہیں۔ یہ ساری تصانیف وسائل کے فقدان کے سبب اب تک کسوت طبع سے محروم ہیں اور بہ شکل مخطوطہ کتب خانۂ بدریہ مجیبیہ میں موجود ہیں۔

سخن گوئی وسخن سنجی کا ذوق لطیف مبدع کائنات نے آپ کو ارثاً ودیعت فرمایا تھا جس کا گذشتہ سطور میں ضمناً ذکر آچکا ہے۔ [2] آپ کا مجموعہ کلام ''دیوانِ معجز بیان'' کے نام سے مطبع انوار محمدی سے ۱۸۸۰ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ مولانا کا دیوان تقریباً ساڑھے چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے جس میں حمد ونعت، مناقب، قصائد، مثنوی، رباعیات، غزلیات اور مخمسات وغیرہ اصنافِ سخن شامل ہیں۔ آپ نے ان تمام صنفوں میں بڑی کامیاب سعی کی ہے اور ہر ہر بیت سے عشق وسرمستی، ذوق ووجدان اور شراب معرفت کی تراوش ہوتی ہے۔ شیرینی، استحکام وپختگی، سادگی وایجاز اور سوز و دلکشی جو شعرائے متصوفہ کا خاصہ ہیں، حضرت نصرؔ کے کلام میں بھی اسی متقدمین کی سی رعنائی کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ انہیں اپنی خوش گوئی وقادرالکلامی کا احساس بھی ہے۔ جب ہی تو یہ فرمادیا کہ؂

همه رانصرؔ به خوش گوئی مارشک آمد   چه عراقیؔ وچه عرفیؔ و چه خاقانیؔ را

حضرت نصرؔ کو اپنے جوش عشق کی انفرادیت کا دعویٰ ہے۔ معشوق کی زلفوں کے بند سلاسل میں مقید ہیں اور آتش عشق کی سوزش قلب وجگر کو پھونکے ڈال رہی ہے لیکن اس عالم میں بھی محبوب کو اس لئے انداز وفا سیکھنے کا درس دیتے ہیں کہ یہ ایک ہنر ہے اور ہنر مند گرامی قدر ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں؂

---

[1] ''نعت عظمٰی'' اور ''اسوۂ حسنہ'' وصال کے فوراً بعد ہی طبع ہوئی تھیں (ادارہ)

[2] نعت کا منتخب مجموعہ آپ کے وصال پر تاریخی قطعات کے ساتھ بھی علیحدہ چھپا تھا، موسوم بہ ''دیوان نعت وماجرائے غم'' (ادارہ)

شد جوش جنونم را رنگ دگری پیدا　　بازلف کسی شاید شد بار سری پیدا

امشب اثری دیگر پیداست در آہ من　　شدز آتش عشق کس دردل شرری پیدا

بر شعلہ رخی یارب افتاد نظر شاید　　کامشب کہ ھمیدارم سوز جگری پیدا

آموز بتا از کس انداز و فاراھم　　باقدرشود مردم چون شد ہنری پیدا

صوفیاء کے مشرب میں اختلاف ادیان کی بنیاد پر تفریق بین الناس مہمل ہے۔ اس فکر کے پس پشت ذوق وحدت کارفرما ہوتا ہے۔ محبوب تو سب کا ایک ہی ہے اب یہ عشاق کے ظرف کی بات ہے کہ معشوق کے حسن لازوال سے کس نے کس طرح فیض اٹھایا۔ چنانچہ حضرت نصرؔ بھی کافر وزاہد گبروترسا اور یہود و برہمن کو اسی معشوق حقیقی کا فریفتہ وشیدائی سمجھتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

کافر زنار زلف تو زنار برگرفت　　مومن شدہ بسبحۂ صددانہ آشنا

از روی تست زاہد و ہم گبرو پیردیر　　باکعبہ و بآتش و بتخانہ آشنا

عالم عرفان کے احساسات وادراکات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر سنائیؔ وعطارؔ، اور رومیؔ وحافظؔ و جامیؔ نے معراج کمال تک پہنچا دیا۔ مابعد کے شعرائے متصوفہ نے ان ہی اساتید میدان کی سربراہی میں صوفیانہ شاعری کا سفر جاری رکھا اور جدتیں پیدا کرتے رہے۔ اس کی مثال اس نکتے سے دی جاسکتی ہے کہ مولانا روم کو تو محبوب کا دربان ''.......برون شو بخانہ نیست'' کہہ کر دروازے سے ہی پھٹکار دیتا ہے لیکن حضرت نصرؔ نے محبوب کے دربان سے دوستی کر لی ہے۔ ظاہر ہے کہ محبوب کے دردولت کا چکر کاٹتے کاٹتے عاشق زار اور دربان میں شناسائی ہوگئی ہے اور ایک ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے اور اسی ہمدردی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت نصرؔ نے دربان کو اس پر راضی کرلیا ہے کہ مجھے

یہیں دروازے پر پڑا رہے دو شاید کبھی محبوب کی نظرِ التفات ہو جائے۔ چنانچہ کہتے ہیں ؎

برامید بذلۂ تو بہر ماندن بردرت　　　　خوش مواخاتی میان ما و دربانِ تو ہست

حضرت نصؔر کے کلام میں شعرائے سلف کا رنگ نظر آتا ہے۔ انہوں نے خاص طور پر رومیؔ، حافظؔ اور جامیؔ کی پیروی کی ہے اور تقلید و اتباعِ سخن گوئی کا پورا پورا حق ادا کر دیا ہے۔ چنانچہ مولانا رومؔ کی مشہور غزل ؎

بنمای رخ کہ باغ و گلستانم آرزوست　　　　بکشای لب کہ قندفراوانم آرزوست

کے تتبع میں حضرت نصؔر فرماتے ہیں کہ ؎

ساقی بیا کہ بادہ و پیمانم آرزوست　　　　وی مطرب از تو ساز خوش الحانم آرزوست

بستیم مرغ دل بسر تار زلف تو　　　　تا بر رخ تو سیر گلستانم آرزوست

گرد رُخ چو شمع تو گردان پئ طواف　　　　پروانہ وار بادل سوز انم آرزوست

مینائی پر شراب و شب ماہ وخلوتی　　　　بہر وصال این ہمہ سامانم آرزوست

جز وصل تو مراد دلم نیست جانِ من　　　　لطفی نما کہ وصل تو درجانم آرزوست

از آفتاب حشر چہ غم نصؔر کز رسول　　　　در روز حشر سایۂ دامانم آرزوست

اہل دل کے حلقوں میں حافظؔ کی آتشیں اور شور انگیز غزلیں سرمایۂ حیات اور حرزِ جاں تصور کی جاتی ہیں اور ان کی صراحی مئے ناب کے غلغلوں سے تصوف کے خمخانوں میں ایک شور بپا ہے۔ لہٰذا مابعد کے اکثر سخن سنج شعرائے متصوفہ کے یہاں حافظؔ کی اتباع ہوتی آئی ہے۔ بلکہ کچھ اہل دل تو حافظؔ کی نصیحت پر اسقدر فریفتہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے سجادۂ تقوی کو نہ صرف یہ کہ شراب معرفت سے رنگ ڈالا بلکہ شراب عرفان کے مٹکے میں اپنے سجادۂ تقوی کو غوطہ زن کر کے اس مقام پر پہنچا دیا جہاں ان کے سجادہ سے ٹپکنے والے شراب طہوری کے قطرات اخلاف کے لئے رہ آورد سے بڑھکر ثابت ہوئے۔ یہاں میری مراد حضرت ابوالحسن فردؔ سے ہے جو حضرت نصؔر کے والد گرامی ہیں اور حافظؔ کے ؎

بہ مئی سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید　　　　کہ سالک بے خبر نہ بود ز راہ و رسم منزلہا

کے زمرے سے ایسے بے خود ہوئے کہ فرما اٹھے کہ ؎

بخم افگندم از حکم مغاں سجادۂ تقوی　　　　کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

جب حضرت فرد الاولیاء حافظؔ کو پیر مغاں تسلیم کر چکے تو بھلا ان کے خلف ارشد کس طرح اس پیر مغاں کے استفاضہ سے دور رہتے چنانچہ آپ کے کلام میں حافظ کی اتباع کے شواھد موجود ہیں۔ مثلاً حضرت حافظؔ فرماتے ہیں ؎

روشن از پرتو رویت نظری نیست کہ نیست
منت خاک درت بر بصری نیست کہ نیست

حضرت نصرؔ تتبع حافظؔ میں فرماتے ہیں ؎

ازلب لعل تو شیریں سخنی نیست کہ نیست ذائق از قند حدیثت دھنی نیست کہ نیست
بی دل و بی جگروبی سروسامان وغریب در سر کوی تو صاحب وطنی نیست کہ نیست
زلف تا شانہ چو از شانہ بیا راستہ ای دامگاہِ دل عاشق شکنی نیست کہ نیست
مرقد سوختگان برکن و دروی بنگر سوختہ از شرر دل کفنی نیست نیست
مغانہ از زلف تو زنار بدوشیم فقط کافر تو صنما برھمنی نیست کہ نیست

حافظؔ کی مشہور غزل ؎

آنا نکہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند

پر حضرت نصرؔ تضمین کرتے ہوئے اپنے مخمس میں فرماتے ہیں ؎

آنا نکہ نار راھمہ نوروضیا کنند آنا نکہ باد راتفس جا نفزا کنند
آنانکہ آب راگہری بی بہا کنند آنا نکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آبا بود کہ گوشۂ چشمی بما کنند
دردا کہ دردل ست نہان درد آشتی ای مونسم چہ فکر علاجم ھمی کنی
خواہم زحال من نشود بر کس آگہی دردم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی
باشد کہ از خزانہ غیبش دوا کنند
زاہد مشوبز ہد ریا طامع ثواب عابد تو از عزور عبادت کن اجتناب
ای محتسب ز کبر برندان مکن عتاب مئی خور کہ صد گناہ ز اغیار در حجاب

بہتر ز طاعتی کہ برو وریا کنند

ای نصرؔ کیستی کہ رسی تا بیار خود حاصل شود مراد دلت کی چنان شود

چون بر زبان اہل دلان ایں سخن رود حافظؔ دوام وصل میسر نمی شود

شاہان کم التفات بحال گدا کنند

حضرت نصرؔ کے کلام میں مولانا جامیؔ کا بھی پرتو نظر آتا ہے اور انہوں نے جامیؔ کے سبک کی بڑی خوبی سے پیروی کی ہے اور جداگانہ انداز میں اپنے افکار پیش کئے ہیں۔ چنانچہ جامیؔ کی مشہور غزل ؎

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزی نیست

بی نشانست ہمہ نام ونشاں چیزی نیست

کے پیرائے میں اپنے افکار یوں مرتسم فرماتے ہیں ؎

گر بباشم بدرت ہر دو جہاں چیزی نیست ور ببزم تو رسم کون و مکاں چیزی نیست

ترک خود بینی و خود رائی خود تا بہ کنی اندریں راہ بہ بینی کہ نہاں چیزی نیست

جان نثارت چہ کنم گر تو بیائی بدلم بہ نثار قدمت این دل و جاں چیزی نیست

ھمچو پروانہ بسوزی و گہی آہ مکن صبر باید نہ چو بلبل کہ بیاں چیزی نیست

در رہ عشق چو جامیؔ بہ نسب نصرؔ مناز کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزی نیست

وحدۃ الوجود کا فلسفہ لطیف تصوف کی جان ہے۔ سالکان طریقت حسن لم یزل کے ایسے شیدائی ہوتے ہیں کہ انہیں کائنات کا ہر ہر ذرہ مظہر حق نظر آتا ہے۔ عالم کثرت میں رہنے کے باوجود استغراق وحدت اتنا شدید ہوتا ہے کہ ان عشاق حقیقی کو ہر شئے میں جلوۂ باری نظر آتا ہے۔ حضرت نصرؔ کے یہاں بھی فلسفۂ وحدۃ الوجود بڑی آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔ جب ہی تو فرماتے ہیں ؎

بہر ذرہ بچشم نصرؔ ظاہر

خدا ھست وخدا ھست وخدا ھست

اپنے ایک مستزاد میں اس فلسفہ کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

تا پای طلب در رہت ایدوست نہادیم با حسنِ عقیدت
دیدیم ترا در ہمہ چون چشم کشادیم در عالم کثرت
یکتایم و درخلوت من راہِ دوئی را از غیر نباشد
درمیکدۂ ھستی خود مست فتادیم از بادۂ وحدت
ای نصرؔ نخیزیم ز بدگوئی عالم در راہ طریقت
بر جادۂ پاکان قدم خود چونہادیم مردانہ زھمت

طلب عشق و عرفان، استغناء، ذوق وحدت اور عالم تحیر کے مراحل سے گذرنے کے بعد سالک منزل فنا میں پہنچ جاتا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کی جستجو میں صوفیائے حق آلام ومصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں جہاں پہنچنے کے بعد محبوب ومحب، عاشق ومعشوق، طالب ومطلوب اور مقصد ومقصود میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا اور دوئی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جب حضرت نصرؔ تصوف کی اس انتہائی منزل پر خیمہ زن ہوئے تو پکار اٹھے۔

باوجود ش شدوجودم از حقارت ناپدید
روزروشن چون شدہ کشتم چراغ خویش را

اور۔

در رہ عشق قدم چون بنہادی اے دل
نقش پاشو کہ دریں نام و نشان چیزی نیست

راہ قلندری میں ابتلا و آزمائش کے سخت ادوار سے گذرنا پڑتا ہے۔ عاشق کے لئے معشوق سے مہجوری ہی اس کی سب سے بڑی آزمائش ہے۔ چنانچہ غمزہ یا اغماض کسی بنیاد پر جب معشوق عاشق سے اعراض کرتے ہوئے محجوب ہونے لگتا ہے تو یہ دورِ فراق عاشق کے لئے بڑا جانکسل ہوتا ہے اور حصول التفات ونوازشِ محبوب کے لئے عاشق طرح طرح کے راستے تلاش کرتے رہے۔ کبھی اپنے انتہائے عشق کی داستان سناتا ہے، کبھی اس کے محبوبین ومقروبین کی وساطت اختیار کرتا ہے۔ چنانچہ ہجروفراق میں مبتلا ہونے پر جو یقیناً بہ سبب غمزۂ محبوب ہے حضرت نصرؔ بھی مقربین حق کا وسیلہ اختیار کر کے ذات باری کی رحمت بیکراں کو یوں متوجہ کرتے ہیں۔

چند روزی ابتلا بودست مرایوب را ماتمامی عمر هستم۔ درفراقت بتلا
توبۂ آدم شدہ مقبول لطف عام تو جرم عشق مانمی بخشی چرااِی بیوفا
دیدۂ یعقوب شد روشن زیوسف بعد چند عمر ہا بگذشت وچشم را نہ بخشیدی ضیاء
بہرموسی از تجلی دم زدی برکوہ طور رب ارنی فی فوادی تا بہ بینم من ترا
آتش سودای عشقم زاب وصلت سرد کن بر خلیل خود چوکردی آتش نمرود را
جام و آئنہ اگر پیش جم و اسکندرست ایں دل ماہست پیشم کاسۂ عالم نما

مرحلۂ عشق میں محبوب کی جفا اور ستم سے بھی سابقہ پڑتا ہے اور حضرت نصرؔ پر بھی معشوق کی جفائیں کچھ کم نہیں ہوئیں اس کا اظہار یوں فرماتے ہیں ۔

چہا ستم کہ نکردہ است نصرؔ برمن یار
نکرد قدرِوفا وخلوص ویاری ما

لیکن محبوب کا ستم بھی حضرت نصرؔ کو محبوب ہے جب ہی تو فرماتے ہیں ۔

مینما ید دیگراں رالذتِ جور تو تلخ
نوبت مامی رسد ہرگاہ شکرمیشود

حضرت نصرؔ کے یہاں صائب کا سا تمثیلی انداز بھی کہیں کہیں جلوہ گر نظر آتا ہے چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

شعرِ خوش زاید چو باشد سوزعشق کس بہ دل عود چون سوزد جہاں ازدی معطر میشود
گرچہ میسوزددلم در سینۂ من نیست باک خانۂ تاریک از آتش منور میشود

لطافت خیال، مضمون آفرینی اور جدت طرز ادا حضرت نصرؔ کے یہاں فراوانی سے نظر آتی ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ۔

تازہ میسازم بناخن بازداغ خویش را ھمچو لالہ میکنم پرخون ایاغ خویش را
تاشمیدم بوی تو، در بوستان از گل گہی رخصت بوی نہ دادم من دماغ خویش را
سینہ نخلستاں عشق ست وزابر چشم نم ہر زمان سرسبز میداریم باغ خویش را

دوسری جگہ فرماتے ہیں ۔

دل کہ جنس بی بہا بود ہ باقلیم وجود — آں متاع دل بسی ارزاں بدکانِ تو ھست

یاددارم زان لب لعل توای رشک مسیح — درپے ہر بوسہ میگفتی کہ در مان تو ھست

گرنظر بر تختۂ نرگس فتد گرددخراب — زانکہ یک عالم خراب ازھر دو چشمانِ تو ھست

ابرو معشوق کو کمان سے تشبیہ دینا تو شعراء کا وطیرہ رہا ہے لیکن حضرت نصرؔ نے قوس قزح کی کنجی کا سبب اور محرک محبوب کے خمدار ابروؤں کو ٹھہرا کر لطف بیان دو چند کر دیا ہے۔فرماتے ہیں ؎

آنچناں دارد بت من ابروی خمدار کج

قوس رحمان چون نماید بر فلک ہر بار کج

حافظؔ اپنے محبوب سے جب بوسہ کے طلبگار ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ ؎

نصاب حسن در حد کمال است

زکاتم دہ کہ محتاج و فقیرم

اور حضرت نصرؔ جب محبوب سے اس عنایت کے خواستگار ہوتے ہیں تو فرماتے ہیں ؎

دونقد بوسہ زکوٰۃ متاع حسن بدہ

حقوق عاشق مسکیں بذمہ ات دین است

ایک دوسری جگہ اور نرالے انداز میں محبوب سے اس نوازش کی آرزو کچھ اسطرح کرتے ہیں ؎

بالب یار خود بگوای نصرؔ

سائل بوسہ ام فلا تنہر

رندانہ جوش وخروش اور سرمستی حضرت نصرؔ کے یہاں حافظؔ سی نظر آتی ہے اور وہ بھی شراب کے ایک پیالہ کے عوض اپنا سجادہ ودستار رہن رکھنے کو تیار ہیں اور زہد واتقاء کی آبروریزی کا ارادہ کرتے ہیں ،فرماتے ہیں ؎

بیا ساقی کہ تقوی وخرد را آبرو ریزم　　شراب ارغوانی از قدح اندر گلو ریزم

دمادم در کشم بادہ گذارم دلق وسجادہ　　خراباتی شوم صہبا بساغر از کدو ریزم

حضور مغ اگر خواہی بیاز اہد طہارت کن　　براندام تو آب بادہ را درشست وشو ریزم

دوسری جگہ فرماتے ہیں؎

رھن جام مئی نمودم فرقہ را

بہر خم سرپوش شد دستار ما

حضرت نصرؔ کے کلام میں صناعات ادبی کا بھی بڑا ماہرانہ اور فنکارانہ استعمال ملتا ہے۔ تجنیس، مراعات النظیر، ایہام، استعارہ اور تشبیہ وغیرہ کے استعمال میں انہوں نے اپنے استادانہ جوہر دکھائے ہیں۔ تجنیس کی مثال کے لئے شعر ملاحظہ ہو؎

نبود اگر حلاوت بوس و کنار تو

باشد مرا بہ بستر کمخواب خواب تلخ

مختصر یہ کہ مصباح الطالبین حضرت نصرؔ کا عارفانہ کلام اپنی موزونیت، روانی وسلاست اور استحکام وپختگی کی بناء پر لائق اعتناء اور جالب توجہ ہے، جہاں معرفت کے رموز کی پردہ دری اپنے تجربات کی روشنی میں کی گئی ہے۔

☆☆☆

☆ لوح وقلم ☆

میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں۔

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں

جناب محمد بدیع الزّماں صاحب
ریٹائرڈ ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
ہارون نگر۔۱، پھلواری شریف

قرآن کا موضوع انسان ہے۔ اس اعتبار سے کہ بلحاظ حقیقت نفس الامری اس کی فلاح اور اس کا خسران کس چیز میں ہے اس کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ ظاہر بینی یا قیاس آرائی یا خواہش کی غلامی کے سبب سے انسان نے خدا اور نظامِ کائنات اور اپنی ہستی اور اپنی دنیوی زندگی کے متعلق جو نظریات قائم کئے ہوئے ہیں، اور اُن نظریات کی بنا پر جو رویّے اختیار کر لئے ہیں وہ سب حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے غلط اور نتیجے کے اعتبار سے خود انسان کے لئے تباہ کُن ہیں۔ اس لئے قرآن کی اس فضیلت اور افادیت کے پیش نظر ضرورت اس بات کی ہے کہ انسان قرآن میں غوطہ زنی کرے یعنی تدبُّر اور غور و فکر سے کام لے کیونکہ اس کی دنیوی و اخروی دونوں میں اس کی فلاح یا خسران اسی تدبر و غور و فکر کرنے یا نہ کرنے پر منحصر ہے۔

علاوہ ازیں قرآن کا مُدّعا انسان کو اُس صحیح رویّہ کی طرف دعوت دینا ہے اور اللہ کی اُس ہدایت کو واضح کرنا ہے جسے انسان اپنی غفلت سے گُم یا مسخ کرتا رہا ہے۔ اس صحیح رویّہ کو ایک موقع پر ''سُبُلَ السَّلٰم'' (سلامتی کے طریقے) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے:

> ''(اے اہل کتاب)، تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو جو اُس کی رضا کے طالب ہیں، سلامتی کے طریقے (سُبُلَ السَّلٰم) بتاتا ہے اور اپنے اِذن سے اُن کو اندھیروں سے نکال کر اُجالے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف اُن کی رہنمائی کرتا ہے۔'' (المآئِدۃ،۱۶)

''سلامتی'' سے مراد غلط بینی، غلط اندیشی اور غلط کاری سے بچنا اور اُس کے نتائج سے محفوظ رہنا ہے۔ جو شخص قرآن میں غوطہ زنی کرتا ہے اُسے اس کتاب اور اس کے رسولؐ کی زندگی سے فکر و عمل کے ہر موقع پر روشنی حاصل ہوتی رہتی ہے اور اس فکر و عمل کے نتیجے میں جو صحیح راستہ وہ اختیار کرتا ہے وہ حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔

قرآن صرف ''سلامتی کے طریقے'' ہی نہیں بتاتا بلکہ لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال کر اُسے ''خدا کے راستے'' پر گامزن کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، ایک موقع پر، مخاطب فرما کر ارشاد ہے:-

''آلٓرٰ! اے محمدؐ، یہ (قرآن) ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمہاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، اُن کے رب کی توفیق سے اُس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے (اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ) اور زمین اور آسمان کی ساری موجودات کا مالک ہے۔''--(ابراھیم،۱)

یعنی تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطانی راستوں سے ہٹا کر انسان کو ''خدا کے راستے'' پر لگانا ہے کیونکہ ہر وہ شخص جو خدا کے بتائے ہوئے راستے پر نہیں ہے وہ دراصل جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو اور اپنے زُعم میں کتنا ہی نورِ علم سے منور ہو۔ بخلاف اس کے جس نے خدا کا راستہ پالیا وہ روشنی میں آ گیا چاہے وہ ایک اَن پڑھ دیہاتی ہی کیوں نہ ہو۔

قرآن کے نزول کے متذکرہ بالا مقصدیت کے علاوہ ایک موقع پر اسکی مقصدیت یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ جو عقل رکھتے ہیں، یہ کتاب اُنہیں ہوش میں لاتی ہے۔ فرمایا گیا ہے:-

''یہ ایک پیغام ہے سب انسانوں کے لئے، اور یہ بھیجا گیا ہے اس لئے کہ اُن کو اس کے ذریعہ سے خبردار کر دیا جائے اور وہ جان لیں کہ حقیقت میں خدا بس ایک ہی ہے اور جو عقل رکھتے ہیں وہ ہوش میں آ جائیں۔'' (ابراھیم،۵۲)

قرآن کے نزول کی مقصدیت ایک موقع پر اور بھی واضح طور پر یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ:-

''(اے نبیؐ) ہم نے یہ کتاب (قرآن) تم پر اس لئے نازل کی ہے کہ تم اُن اختلافات کی حقیقت اُن پر کھول دو جن میں یہ پڑے ہوئے ہیں۔ یہ کتاب رہنمائی اور رحمت بن کر اُتری ہے اُن لوگوں کے لئے جو اسے مان لیں۔'' (النحل،۶۴)

مطلب یہ کہ قرآن اُن لوگوں کو موقع فراہم کرتا ہے جو اوہام اور تقلیدی تخیلات کی بنا پر بے شمار مختلف مسلکوں اور مذہبوں میں بٹ گئے ہیں، وہ اس کتاب کے ذریعہ صداقت کی ایک ایسی بنیاد پالیں جس پر یہ سب متفق ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر قرآن کے نزول کی مقصدیت یہ بھی فرمائی گئی ہے کہ:-

> ''(اے نبیؐ)، اِس (قرآن) کے اُتارنے کی غرض یہ ہے کہ تم اس کے ذریعہ سے (منکرین کو) ڈراؤ اور ایمان لانے والوں کو نصیحت ہو۔'' (الاعراف،۲)

قرآن صرف صحیح راستے کی نشاندہی کر کے نہیں رہ جاتا بلکہ اُس راستے پر چلنے کے لئے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے جس میں عقائد، اخلاق، تزکیۂ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب، تمدن، معیشت، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیاتِ انسانی کے پہلو سے متعلق ایک نہایت مربوط ضابطہ بھی بیان کرتا ہے۔ مزید برآں یہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتا ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور اُن غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والا ہے۔ اس طرح یہ قرآن انسان کو اُس کی فطرت کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ یہ انسان کی اپنی ہی حقیقت اور فطرت اور اُس کے مقتضیات اُن کے سامنے پیش کرتا ہے جس میں خود انسان ہی کی اپنی بھلائی ہے جس سے اُنہیں عزت اور سرفرازی نصیب ہو سکتی ہے۔

اسی نکتہ پر اظہارِ تاسف کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:-

> ''ہم اُن کا اپنا ہی ذکر اُن کے پاس لائے ہیں اور وہ اپنے ذکر سے منہ موڑ رہے ہیں۔'' (المؤمنون،۷۱)

قرآن صرف دُنیوی معاملات ہی میں نہیں بلکہ اُخروی نتائج کے متعلق خوشخبری دیتا ہے کہ فیصلے کے دن اللہ کی عدالت سے وہ لوگ کامیاب ہو کر نکلیں گے جن لوگوں نے اس قرآن کو مان کر اطاعت کی راہ اختیار کر لی۔ اس لئے قرآن میں ہر اُس چیز کی وضاحت کر دی گئی ہے جن پر ہدایت و ضلالت اور فلاح و خسران کا مدار ہے۔

جولوگ قرآن کو اپنا رہنما بنا لیتے ہیں اُن کے لئے تو یہ خدا کی رحمت اور تمام ذہنی، نفسانی، اخلاقی اور تمدنی امراض کا علاج بن جاتا ہے مگر جولوگ اس کی رہنمائی سے منہ موڑ لیتے ہیں اُن کو یہ قرآن اس حالت پر نہیں رہنے دیتا کیونکہ یہ محض جہالت کا خسارہ نہیں اور وہ اس طرح اپنی گمرہی کے پورے ذمہ دار اور پوری سزا کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جب قرآن نے انسان پر حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دیا تو اُن پر خدا کی حجت تمام ہوگئی۔ یہی بات ہے جسے نبی ﷺ نے ایک نہایت بلیغ مگر مختصر سے جملے میں بیان فرمایا ہے:-

القرآن حجة لک او علیک (یعنی قرآن یا تو تیرے حق میں حُجت ہے یا پھر تیرے خلاف حُجت)

ان ساری باتوں کے پیش نظر سوال حامل قرآن ہونے کی عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے احساس کی بات آتی ہے۔ اس عظیم ذمہ داری کا احساس نہ ہونے پر ایک موقع پر تمثیلی پیرایۂ بیان میں خدائے تعالیٰ نے یہ اظہارِ تاسف کیا ہے:-

''اگر ہم نے یہ قرآن کسی پہاڑ پر اتارا ہوتا تو (اے نبیؐ) تم دیکھتے کہ وہ اللہ کے خوف سے دبا جا رہا ہے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے سامنے اس لئے بیان کرتے ہیں کہ وہ اپنی حالت پر غور کریں۔'' (الحشر،۲۱)

اس تمثیل کا مطلب یہ ہے کہ قرآن جس طرح خدا کی کبریائی اور اُس کے حضور بندے کی ذمہ داری کو صاف صاف بیان کر رہا ہے اُس کا فہم اگر پہاڑ جیسی عظیم مخلوق کو بھی نصیب ہوتا اور اُسے معلوم ہو جاتا کہ اُس کو کس ربّ قدیر کے سامنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے تو وہ بھی خوف سے کانپ اُٹھتا۔ مسلمانوں کے حاملِ قرآن نہ ہونے پر ''ارمغانِ حجاز'' کی نظم: ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں ابلیس اپنے مشیروں کو ابلیسی نظام پر کسی قسم کا خطرہ نہ ہونے پر یہ کہہ کر مطمئین کرتا ہے کہ

ع جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآن نہیں

اسی لئے اقبالؔ نے جب ''ضربِ کلیم'' کی نظم ''اشتراکیت'' میں مسلمانوں کو یہ تلقین کی کہ:-

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

تو اس سے ان کی مراد وہی تدبُّر اور غور و فکر ہے جس تدبُّر اور غور و فکر کی دعوت خدا نے یہ کہہ کر دی ہے:-

''یہ (قرآن) ایک بڑی برکت والی کتاب ہے جو (اے نبیؐ) ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تا کہ یہ لوگ اس کی آیات پر غور کریں اور عقل وفکر رکھنے والے اس سے سبق لیں۔''

(ص،۲۹)

اقبالؔ نے اپنے عہد کے مسلمانوں کی نکبت وخواری پر'' بانگِ درا'' کی نظم'' شکوہ'' میں شکایات کا ایک دفتر کھول دیا اور خدا سے یہ شکایت کی کہ آج کے مسلمانوں پر تیری وہ عنایات کیوں نہیں جو تو نے اسلاف پر کی تھی۔ اس کا جواب اقبالؔ نے اسی مجموعہ کی نظم'' جوابِ شکوہ'' کے بیسویں بند میں خدا کی طرف سے مسلمانوں کو یہ دلوایا کہ ؂

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر

اس شعر سے اقبالؔ یہ نکتہ ذہن نشیں کراتے ہیں کہ مسلمان اور قرآن ایک ہی سکّے کے دو رُخ ہیں۔ ایک سے دوسرے کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات کہ مسلمان مُجسّم قرآن ہے یعنی اس کی پوری زندگی قرآن کے سانچے میں ڈھلی ہوتی ہے اس کی تلقین اقبالؔ نے'' ضربِ کلیم'' کی نظم '' مردِ مسلماں'' کے درجِ ذیل شعر میں کی ہے ؂

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

☆☆☆

نعت

جناب جمال احمد جمالؔ فاروقی
کراچی، پاکستان

تابناکی میں نہیں ان کا مقابل آفتاب
تیرگی میں شب کی، ترسے اک جھلک کو ماہتاب

حسن ورنگ ونور میں نکہت میں ہو جو لازوال
گلشنِ ہستی میں ان جیسا نہیں کوئی گلاب

حسن صورت ، حسن سیرت، حسن خو، حسن عمل
خوبیوں میں وہ خدائے عزوجل کا انتخاب

ایک اُمّی شہرناپُرساں کے وہ دُرِیتیم
عالم امکاں میں ممکن ہی نہیں جن کا جواب

فخر موجودات وہ ختم الرسل کامل صفات
باعث صد فخر ہے انساں کو ان سے انتساب

وہ عظیم المرتب وجہ شرف عالی مقام
جن کی مدحت میں ہے خود معجز بیاں ام الکتاب

جب سر محشر نہ ہوگا کوئی بھی پرسان حال
دستگیری آپ ہی فرمائیں گے روز حساب

نعت

جناب نجم عثمانیؔ
سی.ایم.پی.ایف.آفس دھنباد (جھارکھنڈ)

آپ کے نقش قدم سے راستہ روشن ہوا
ذات کے اندر سفر کا سلسلہ روشن ہوا

آدمی کی اک نئی پہچان قائم ہوگئی
زیست کے چہرے کا ہر اِک زاویہ روشن ہوا

رحمتِ عالم ہیں وہ ان کی اداؤں کے نثار
دشمنوں کے حق میں بھی دست دعا روشن ہوا

نور کا دریا زمیں تا آسماں تھا موج زن
وہ بھی کیا لمحہ تھا جب غارِ حرا روشن ہوا

دہر میں آواز کی خوشبو کا جاری ہے سفر
رہگزاروں میں جو وہ برگ نوا روشن ہوا

راستے منزل ہوئے ، خوابوں کی تعبیریں ملیں
لب پہ جب نام محمدؐ مصطفٰے روشن ہوا

آپؐ سے پہلے کوئی ملتی نہیں ایسی مثال
خالق ومخلوق میں جو رابطہ روشن ہوا

قصیدۂ مدحیہ بمناسبت میلاد مصطفویہ علیہ التحیۃ والثنا

جناب شاہ اشتیاق عالم صاحب ضیاء شہبازی
خانقاہ شہبازیہ، بھاگلپور

آسماں در آسماں پھیلا ہے منظر صبح کا — قامتِ شب سے بڑھا قدِ صنوبر صبح کا
کیسا خالق نے بنایا نقش پیکر صبح کا — بوسے لینا چاہتا ہے شاہِ خاور صبح کا
تن گیا افلاک پر کیا خیمۂ اطلس نگار — نور بخشِ زندگی ہے جس میں جھالر صبح کا
مشتری، ناہید، انجم، کہکشاں، پرویں، زحل — دم بخود ہیں دیکھکر روشن مقدر صبح کا
ہوگئی میرے قصیدے کی فضا بھی تابناک — ذہن میں آیا جونہی لفظ معطر صبح کا
اک تہی دست ہنر نغمہ سرا ہونے کو ہے — لا اُٹھا کر اے صبا محراب و ممبر صبح کا
اہل دل، اہل نظر، اہل ادب، اہل ہنر — چُن رہے ہیں کس سلیقے سے گلِ تر صبح کا
کچھ رقیبانِ ادب ہیں صف میں پنجوں پر کھڑے — ملگجا شب کا نہیں ہوتا ہے ہمسر صبح کا
خاص یہ فضل خدا ہے اے نصیب شاعری — نعت کا مطلع اگر بن جائے اختر صبح کا
یہ ثنا یہ مدح یہ سیرت نگاری اے نصیب — جسکے ہات آئے یہ دولت وہ سکندر صبح کا
بارھویں شب نے دکھایا کیسا تیور صبح کا — گونج اُٹھا نعرۂ اللہ اکبر صبح کا
مرحبا لو کھُل پڑا گیسوئے عنبر صبح کا — خوشبوؤں کا ڈھیر لے آیا پیمبر صبح کا
شکر کے آنسو سے روشن ہوگئی چشم خلیلؑ — ارض مکّہ پر برستا ہے وہ گوہر صبح کا
خُلق کی سرُخی، کرم کی فجر، رحمت کی نسیم — غیرت حُسن دوعالم ہے یہ زیور صبح کا
اُسکی پیشانی ہے کہ ''والفجر'' کا مُہر ثبوت — اُسکا عارض ہے کہ روشن خطِ احمر صبح کا
خار زار تیرگی میں کھاکے پتھر ظلم کے — کون صدقہ بانٹنے آیا ہے گھر گھر صبح کا
صبح ہجرت ہو کہ صبح فتح مکّہ ہر جگہ — اُسکی رحمت نے اُچھالا ہے سمندر صبح کا
مژدۂ ''یٰاَیُّھَا المُزَمِّلُ'' کی یاد میں — پی رہے ہیں سب فرشتے پاؤں دھوکر صبح کا
دیکھتے ہی شور اُٹھا شہر طیبہ میں تمام — حُلّۂ رحمت میں نکلا مہر انور صبح کا
الصّلوٰۃ والسّلام اے ساری دنیا کے رسولؐ — آپکی آمد نے بخشا سبز منظر صبح کا
یہ ضیائے بے اماں پائے اگر جاں کی اماں — اک قصیدہ روز لائے شب میں کہکر صبح کا

قطعات

جناب محمد ناظم اجنبیؔ اورنگ آبادی
پھلواری شریف

ہماری قوم اگر اب بھی سنبھل جائے تو بہتر ہے
خود آرائی کے پنجے سے نکل جائے تو بہتر ہے
نہیں ہے تاب مجھ میں اب سہوں میں غم پہ غم **ناظمؔ**
غموں کی دو پہر اب جلد ڈھل جائے تو بہتر ہے

* * * * * * * * * * *

کر دیا مجبور اتنا تنگ دستی نے اُسے
جیب کترا، چور، رہزن اور ڈاکو بن گیا
نوچ کر اپنے بدن سے پیرہن تہذیب کا
وقت کے چہرے پہ پھینکا اور ہلاکو بن گیا

* * * * * * * * * * * *

کبھی تقدیر بھی کر لیتی ہے پُر لطف مذاق
دشمن جاں بھی مرا چاہنے والا نکلا
جب ہوئے مدِ مقابل تو یہی دل نے کہا
اجنبیؔ جس کو سمجھتے تھے شناسا نکلا

* * * * * * * * * * *

بخدمت: (انگریزی سے ترجمہ)

سرکولیشن منیجر

لوح وقلم

دارالعلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف، پٹنہ

جناب عالی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

لوح وقلم موصول ہوا۔ اس کے لئے آپکا شکر گذار ہوں۔ پرچے کے تمام مشمولات پسند آئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ پرچہ ترقی کی منزل طے کرے۔ نیک خواہشات کے ساتھ۔

آپکا

ڈاکٹر احمد عبدالحئ، پٹنہ

مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے مزاج مبارک بخیر ہوگا۔

چندروز پہلے ''لوح وقلم'' کے دوشمارے ملے۔ممنون ومسرور کیا۔

رسالہ ''بہ قامت کمتر وبہ قیمت بہتر'' کا مصداق ہے۔مضامین اچھے،مفیداور سنجیدہ ہیں۔ ابھی توابتداء ہے۔ انشاءاللہ اس کا معیار بھی بلند ہوگا،ضخامت بھی بڑھے گی۔اسے صوفیہ کی تعلیمات کا مثالی ترجمان ہونا چاہئے۔

مناسب ہوگا کہ اِس میں پھلواری شریف کے بزرگوں کی حیات اور تعلیمات کا تذکرہ زیادہ ہواور مشائخ کی تصانیف کا بھی تفصیل سے تعارف کرایا جائے۔

آپ نے اِس قابل قدر علمی سوغات سے مجھے نوازا ہے اس کے لئے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

نیازمند

نثاراحمد فاروقی، دہلی

کوائف وحالات

ادارہ

خانقاہ مجیبیہ: آستانۂ مجیبیہ پھلواری شریف میں سالانہ عرس کی سب سے بڑی تقریب ماہ ربیع الاول میں انجام پائی ہے اور اپنی سابقہ روایات کے ساتھ نہایت نظم وضبط اور شاندار طور پر انجام پائی۔ جسمیں ملک کے طول وعرض سے ہزاروں ہزار زائرین نے شرکت کی۔ ہر سال جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے جسکی رپورٹ درج ذیل ہے۔

• ۱۱ر ربیع الاول کو بعد نماز ظہر خانقاہ کے کانفرنس ھال میں حاضرین وزائرین عرس کی موجودگی میں ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس کی صدارت حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے کی۔

جلسہ کا آغاز حافظ محمد مشفق عالم مجیبی نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ انکی تلاوت کے بعد حافظ محمد یاسین نے اپنی خوش گلو آواز سے بارگاہ رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ آخر میں صدر اجلاس حضرت الحاج مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ نے صدارتی بیان دیا۔ صدر موصوف نے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کیذات، کل مخلوق پر فضیلت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''کن فیکون'' کی مفتاح دیکر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی ہر مخلوق سے افضل اور ہر مخلوق سے بہتر ہے اور آجتک آپکا کوئی ثانی نہیں ہے اور نہ ہوگا۔

موصوف نے اپنی تقریر کو جاری رکھتے ہوئے یہ بھی کہا کہ آپؐ کی ذات، ایک نئے ماحول کے خالق، ایک نئے نظام کے پیغامبر- نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے پراگندہ ماحول کی صرف تطہیر نہیں کی بلکہ پورے معاشرے کو اس طرح بدل دیا کہ انسانی قدریں بدل گئیں، لوگوں کے ذہن وفکر بدل گئے، مزاج واطوار بدل گئے، طور وطریق، تہذیب وتمدن، رسم ورواج۔ غرض یہ کہ قوم کی قوم اور ان کے ماحول بدل گئے۔

یہی وہ ذات ہے جو افضل البشر ہے۔ وہی رسول برحق اور ہادئی ہر زماں ہے۔ انکی ہدایت وتعلیم نے انسانیت کو جہل وبے یقینی کی پستی سے باہر نکالا۔ آپؐ کی ذات سید المرسلین ہے۔ آپؐ کی رسالت ہر منزل پر نمایاں اور آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ بشریت بھی ایسی ہے کہ ہر طرح کی فضیلت اور برتری نچھاور ہے۔ اور رسالت کی شان بھی ایسی نرالی ہے کہ ہر قدم پر ایک منزل ارفع نثار اور ہر منزل قرب الٰہی سے سرشار ہے۔ فکر وعمل کا یہ عالم ہے کہ آپؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے۔ آپؐ کا ہر لفظ وبیان شریعت الٰہی ہے اور آپ ﷺ کا ہر ہر عمل رضائے خداوندی کی تکمیل ہے۔

جب سے دیکھا ہے لباس بشری میں تمکو ہر فرشتے کی تمنا ہے کہ انساں ہوجائے

اسطرح موصوف نے جامع اور مدلل بیان سے سامعین مجلس کو محظوظ کیا۔ اس کے بعد صلوٰۃ وسلام پر مجلس کا اختتام ہوا۔

۱۰؍ربیع الاول بعد نماز عشاء حافظ محمد یاسین متعلم دارالعلوم ہٰذا کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد شمیم اختر مجیبی نے اپنے مخصوص انداز میں نعت پیش کی۔ بعدہ حضرت سید شاہ ڈاکٹر عمید الدین قادری فاضل جامعہ امۃ القریٰ مکۃ المکرّمہ نے سیرت پاک ﷺ پر تقریر فرمائی۔ آخر میں صلوٰۃ وسلام پر جلسہ کا اختتام ہوا۔

۱۱؍ربیع الاول بعد نماز عشاء قاری رمضان علی نعمانی مجیبی صدر شعبۂ تجوید، دارالعلوم ہٰذا کی تلاوت کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔ مولوی تنویر حسین مجیبی امام وخطیب جامع مسجد، بکرم گنج نے اپنے مترنم مخصوص انداز میں نعت شریف سے حاضرین کو محظوظ کیا۔ اس کے بعد حضرت مولانا سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ العالی، معتمد تعلیمات دارالعلوم مجیبیہ نے جامع، پرمغز اور اپنے علمی بیان سے سامعین کو محظوظ کیا۔ صلوٰۃ وسلام کے بعد صاحب سجادہ جناب حضور مدظلہ العالی کی دعاء پر جلسہ تمام ہوا۔

دارالعلوم مجیبیہ: ۵؍ربیع الاول ۱۴۲۳ھ کو طلبۂ دارالعلوم مجیبیہ کے ششماہی امتحانات ہوئے۔ جناب مولانا خواجہ عبدالباری صاحب مجیبی استاذ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ، پٹنہ کے زیر نگرانی درجہائے عربی وفارسی اور جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ فضل کبریا صدیقی صاحب صدر شعبۂ عربی، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ کے زیر نگرانی درجات حفظ وقرأت کے امتحانات ہوئے۔ اس کے بعد دارالعلوم مجیبیہ ۶؍ربیع الاول سے ۱۵؍ربیع الاول تک کے لئے بند کر دیا گیا۔ پھر ۱۶؍ربیع الاول سے قاعدہ کے مطابق دارالعلوم کھلا اور تدریسی مشاغل جاری ہو گئے۔

معمولات عرس خانقاہ مجیبیہ بہ ماہ جمادی الاول: ۲۰؍جمادی الاول عرس حضرت محبوب رب العلمین خواجہ عماد الدین قلندر پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹؍دن گذار کر شب ۲۰؍کو ایک وقت قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

۲۹؍جمادی الاول اعراس حضرت محی الملۃ والدین امیر شریعت دوئم مولانا الحاج سید شاہ محمد محی الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ وحضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۲۸؍دن گذار کر شب ۲۹؍وروز ۲۹؍کو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

۲۹؍جمادی الاول اعراس حضرت شمس العارفین امیر شریعت سوئم مولانا سید شاہ محمد قمر الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ وحضرت استاذ العلماء امام المتقین مولانا سید شاہ محمد نظام الدین قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۲۹؍کو بعد نماز عشاء قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات عرس خانقاہ مجیبیہ بہ ماہ جمادی الثانی: ۱۹؍جمادی الثانی عرس صاحب المقام الاویسیہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹؍تاریخ کو نماز عصر کے بعد قل ہوتا ہے۔

۲۰؍جمادی الثانی عرس بانیٔ خانقاہ ودارالعلوم حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹؍دن گذار کر شب ۲۰؍اور روز ۲۰؍کو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات عرس خانقاہ مجیبیہ بہ ماہ رجب المرجب: فاتحہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ ۶؍رجب بعد نماز عصر قل ہوتا ہے۔

عرس شب معراج: ۲۶؍دن گذار کر شب ۲۷؍کو ایک وقت قل ومجلس ہوتی ہے اور چراغاں کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

☆☆☆

PHULWARI Textiles

Haji Mohd. Qasim Ansari

Dealers in all kinds of
Banarsi Sarees & Dress Materials

D. 43/63,
BAZAR SADANAND,
VARANASI - 221001
U.P. (INDIA)

TELEPHONES OFFICE :
451546, 451611, 451040
FAX : 91-542-451453
RESI. : 451886
MOB. : 9839055042

Guruji Dyer's & Printers

Md. Sajid

29/2, MIAJAN OSTAGAR LANE, Gr. FLOOR,
(NEAR DAULAT GARDEN), KOLKATA - 700017

TELEPHONE OFFICE : 280-6490
Resi. : 280-6491, Mob. : 98310-02992
E-mail : gurujidyers@hotmail.com

Vol. No. : 1 Sl. No. : 3

Lauh-O-Qalam

Quarterly

July, Aug., Sept. - 2002

Darul Uloom Mujeebia Khanquah
Phulwari Sharif, Patna - 801505 (Bihar)
Phone No. : 0612 - 251572, 250305
Email : al_mujeeb@yahoo.com

شرح اشتہارات

☆☆☆☆☆	پورا صفحہ	نصف صفحہ
ٹائٹل آخری صفحہ	1000/-	600/-
ٹائٹل کی پشت پر	600/-	400/-
اندرونی صفحہ	500/-	300/-

Rs. 8/-